بصیرتِ مومن

اسلاف سے اخلاف تک شیعہ عوام و خواص کے دفاع مذہب
اہلِ بیتؑ میں مومنانہ بصیرت پر مشتمل دینی و علمی مناظروں کا
فکر انگیز مرقع

تالیف: مولانا آغا عبدالحسین صاحب سرحدی
پرنسپل درس آلِ محمدؐ فیصل آباد

ناشر: مبلغ اعظم اکیڈمی
درس آلِ محمدؐ سرگودھا روڈ
فیصل آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بصیرتِ مومن

تالیف

مولانا آغا عبدالحسن سرحدی

ناشر

درس آلِ محمدؐ

مبلغ اعظم اکیڈمی جڑانوالہ روڈ نزد بجلی گھر فیصل آباد

الأوحد
موقع الأوحد
Awhad.com

جملہ حقوق بحقِ مؤلّف محفوظ ہیں!

تالیف:- آغا عبد الحسن سرحدی
بار:- اوّل
تعداد:- ایک ہزار
کتابت:- شریف قادری
طابع اشرفی آفسٹ پریس
ناشر
مبلّغ اعظم اکیڈمی درس آلِ محمدؐ جڑانوالہ روڈ
نزد بجلی گھر فیصل آباد

قیمت:- ۱۵ روپے

ہماری آئندہ پیشکش انشاءاللہ آئمہ معصومین علیہم السلام کے مناظروں پر مشتمل ہوگی

فہرست عناوین

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱	عبداللہ بن عباس اور حضرت عمر کا مناظرہ۔	۱۰
۲	شیعہ قاضی اور ایک عامی کا مناظرہ۔	۱۴
۳	کوفی خاتون اور بی بی عائشہ کا مناظرہ	۱۵
۴	علی ابن میثم اور ملحد کا مناظرہ	۱۷
۵	علی ابن میثم اور نصرانی کا مناظرہ	۱۹
۶	عقیل ابن ابی طالب اور معاویہ کا مناظرہ۔	۲۱
۷	مومن طاق اور ابوحنیفہ کا مناظرہ (امام کے بارے)۔	۲۶
۸	مومنِ طاق اور ابوحنیفہ کا مناظرہ (رجعت کے بارے)۔	۲۷
۹	مومنِ طاق اور ابوحنیفہ کا مناظرہ (متعہ کے بارے)۔	۲۸
۱۰	مومنِ طاق اور ابی خِدرہ کا مناظرہ۔	۳۰
۱۱	مومنِ طاق اور خارجی کا مناظرہ۔	۴۰
۱۲	ہشام اور یحییٰ برمکی کا مناظرہ۔	۴۲
۱۳	ہشام اور ابوعبیدہ معتزلی کا مناظرہ۔	۴۶
۱۴	ہشام اور شامی کا مناظرہ۔	۴۷

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱۵	ہشام اور عمرو بن عبید معتزلی کا مناظرہ۔	۵۳
۱۶	ہشام کا بیان اور ضرار بن عمرو سے مناظرہ۔	۵۸
۱۷	ہشام اور ضرار کا مناظرہ۔	۷۳
۱۸	ہشام اور متکلمین کا مناظرہ۔	۷۶
۱۹	بہلول اور ہارون رشید کا مناظرہ۔	۸۰
۲۰	بہلول کا ایک مخالف سے مناظرہ۔	۸۵
۲۱	بہلول کا ابو حنیفہ کے ساتھ مناظرہ۔	۸۶
۲۲	بہلول اور عمر بن عطا کا مناظرہ۔	۸۸
۲۳	فضال بن حسن اور ابو حنیفہ کا مناظرہ۔	۹۳
۲۴	ایک شیعہ خاتون کا شیخ عبد السلام کے ساتھ مناظرہ۔	۹۵
۲۵	مامون رشید کا علمائے عامہ کے ساتھ مناظرہ	۹۷
۲۶	ابو العتاہیہ جبری کا ثمامہ عدلی کے ساتھ مناظرہ۔	۱۵۰
۲۷	یحییٰ بن یعمر بصری اور حجاج بن یوسف کا مناظرہ۔	۱۵۲
۲۸	شاہ خدا بندہ کے دربار میں علامہ حلی کا علمائے عامہ کے ساتھ مناظرہ	۱۵۹
۲۹	شیخ صدوق اور رکن الدولہ کا مناظرہ۔	۱۶۸
۳۰	شیخ مفید اور قاضی عبد الجبار کا مناظرہ۔	۱۸۶

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۳۱	شیخ مفید اور دروثان سنّی عالم کا مناظرہ۔	۱۹۱
۳۲	شیخ مفید اور کرابیسی عالم کا مناظرہ۔	۲۰۱
۳۳	شیخ مفید اور کشی نامی سنّی عالم کا مناظرہ۔	۲۰۶
۳۴	شیخ مفید کا طائفۂ معتزلہ اور حشویہ سے مناظرہ۔	۲۰۸
۳۵	شیخ مفید کا عالم رؤیا میں حضرت عمر سے مناظرہ۔	۲۱۲
۳۶	شیخ مفید کا ایک معتزلی کے ساتھ مناظرہ۔	۲۱۷
۳۷	فضل بن شاذان کا ایک شخص کے ساتھ مناظرہ۔	۲۲۶
۳۸	ابوالہذیل سنّی کا ایک سعنور دیوانے کے ساتھ مناظرہ۔	۲۳۲
۳۹	ایک مومنہ کا ابن جوزی کے ساتھ مناظرہ۔	۲۴۲
۴۰	علمائے شیعہ کا عبداللہ خان ازبک کے ساتھ مناظرہ۔	۲۴۴
۴۱	شیعہ اور ناصبی دانشمندوں کے مابین مناظرہ۔	۲۵۹
۴۲	عالمگیر اور نعمت خان عالی کے مابین مناظرہ۔	۲۶۵
۴۳	ایک بزرگ سید اور واعظ حسین کاشفی کا مناظرہ۔	۲۶۷
۴۴	ایک افغانی (شیعہ) کا سنّی عالم سے مناظرہ۔	۲۷۰
۴۵	علی ابن میثم کا ابوہذیل سے مناظرہ۔	۲۷۲

انتساب

خالد

المرجع المعظم آیۃ اللہ الحجۃ الحاج آقائے

میرزا حسن الحائری الاحقاقی

متع اللہ المومنین بطول بقائہ

کے نام!

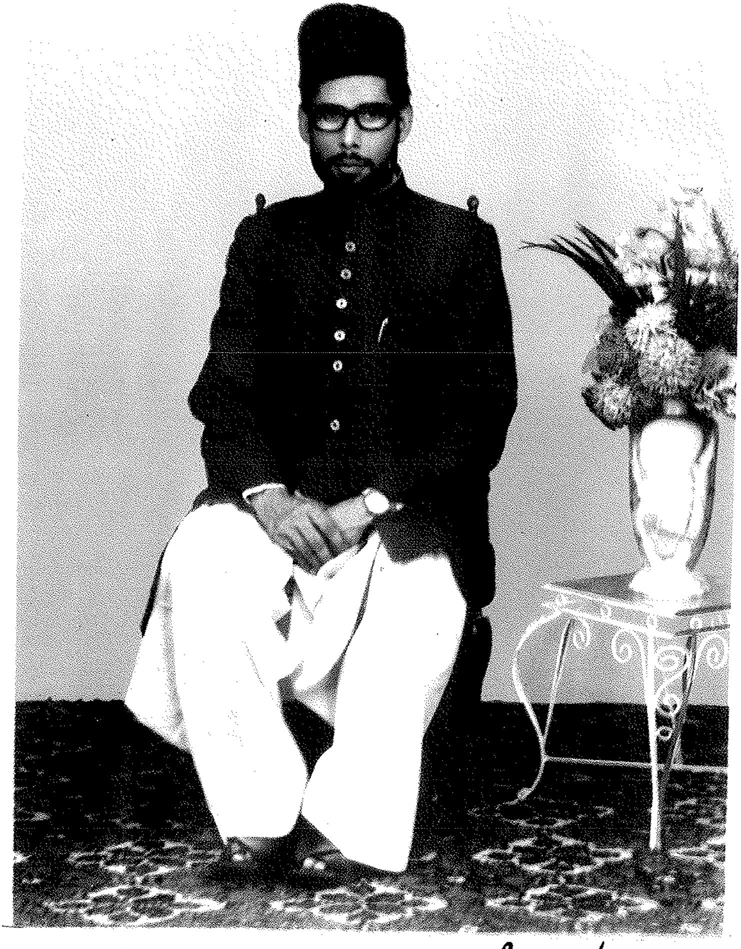

آغا مبین سرحدیؒ

نورِ بصیرت

واہب العطایا کا ایک انمول عطیہ ہے جس میں دل و دماغ کے دریچے روشن، فکر کے چراغ فروزاں اور علم و معرفت کے ایوان تابندہ ہوتے ہیں۔

یہی وہ انمول نعمت ہے جس کے توسط سے خدا اور بندگانِ مصطفےٰ کی معرفت کا حصول اور نقطۂ نظر مؤثر اور مقبول ہوتا ہے۔

صحیفۂ ربّانی کے مطالعہ سے یہ واضح ہے کہ امرِ حق کے داعی کو بصیر و خبیر ہونا چاہیئے۔ ورنہ جو آدمی خود بے ہدایت ہو علم اور کتاب سے ناآشنا ہو وہ دوسروں کی کیا رہنمائی کر سکے گا۔

ع   اُو خویشتن گم است کرا رہبری کند

داعی و ہادی کو چاہیئے کہ وہ دعوتِ الی الحق کے بارے قرآنی اصولوں یعنی حکمت موعظۂ حسنہ اور جدلِ احسن کے علی الترتیب مواقع اور تقاضوں سے واقف ہو ورنہ مطلوبہ مدعا حاصل کرنے کی بجائے اُلٹا نقصان اُٹھانا پڑے گا۔

"بصیرتِ مومن" آپ کو انہی اصولوں کا ترجمان ملے گا جس میں جہاں عوام[1] کے مومنانہ بصیرت کے مرقعے موجود ہیں وہاں خواص کے عالمانہ دفاع کا تذکرہ بھی ہے۔

جن کے بارے صادق آلِ محمد کا ارشادِ حق بنیاد ہے،

علماء شیعتنا مرابطون فی الثغر الذی یلی ابلیس وعفاریتہ۔ یمنعونھم عن الخروج علی ضعفاء شیعتنا وعن أن یتسلط علیھم وابلیس وشیعتہ والنواصب۔

ألا فمن انتصب لذلك من شیعتنا کان افضل ممن جاھد الروم والترك والخزر۔ الف الف مرۃ لانہٗ یدفع عن ادیان محبینا وذلك یدفع عن ابدانھم[2]۔

ہمارے شیعوں کے علماء ابلیس اور اس کے لشکروں کی سرحدوں پر صف بستہ کھڑے ہیں تاکہ ان کو ضعیف شیعوں کے خلاف خروج کرنے سے روکیں تاکہ ان پر ابلیس اور ان کے پیروؤں اور ناصبیوں کا تسلط نہ ہو جائے۔ یاد رکھو جو شخص ہمارے مذہب

---

[1] تاکہ — عوام و خواص ہر دو یکساں طور پر متمتع ہو سکیں۔

[2] احتجاج طبرسی ص ۸ ج ۱ مطبوعہ نجف اشرف۔

کے دفاع پر کمربستہ رہے گا۔ وہ ترک ، روم اور خزر کے مجاہدین سے دس لاکھ درجے افضل و بہتر ہے۔ کیونکہ یہ شخص ہمارے شیعوں کے دین کی حفاظت کرتا ہے جبکہ وہ لوگوں کے بدن کا بچاؤ کرتے ہیں۔

مجموعۂ ہذا میں مستند اور معتبر کتب سے استفادہ کیا گیا ہے۔ عبارات کو سہل اور مطالب کو عام فہم لکھا گیا ہے ضروری مقامات پر تحقیقی حواشی بھی رقم کئے گئے ہیں۔

اسے پڑھ کر آپ میرے والد روحانی اور مشفق مربی مبلغِ اعظم مولانا محمد اسماعیل صاحب قدس سرہ کیلئے دعائے مغفرت فرمائیں جن کی توجہ کامل اور تربیتِ صالح سے ناچیز اس قابل ہوا کہ دو چار جملے لکھ سکے۔

بصیرتِ مومن کی اشاعت میں عزیزم مولوی صفدر رضا کاظمی سلمہٗ مولوی فاضل نے کافی جدوجہد کی ہے۔ اللہ تعالےٰ اُسے مزید توفیقاتِ خیر عنایت فرمائے۔

ناچیز:- آغا عبدالحسن سرحدی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مُناظرہ

①

علّامہ شبلی نعمانی حضرت عُمر کا ایک مکالمہ نقل کرتے ہیں اور یہ بھی لکھتے ہیں کہ اس سے حضرت عُمر کے خیالات کا سربستہ راز معلوم ہوگا۔

مکالمہ عبداللہ بن عباس[1] سے ہوا جو حضرت علیؑ کے ہم قبیلہ اور طرفدار تھے۔

حضرت عُمر:۔ کیوں عبداللہ بن عباس، علیؑ ہمارے ساتھ کیوں شریک نہیں ہوئے۔

عبداللہ ابن عباس:۔ میں نہیں جانتا۔

ترجمان القرآن عبداللہ بن عباس

[1] استیعاب علامہ ابن عبدالبر اور اصابہ حافظ ابن حجر وغیرہ میں ہے کہ آپ کی ولادت کے بعد کمسنی ہی میں دو مرتبہ حضرت پیغمبرِ خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اُن کیلئے عِلم وحکمت کے عطا ہونے کی دُعا فرمائی۔

اَللّٰھُمَّ عَلِّمْہُ الْحِکْمَۃَ وَتَاوِیْلَ الْقُرْآن ۔ اے پروردگار اسے حکمت اور تاویلِ قرآن کا عِلم عطا فرما۔

اَللّٰھُمَّ زِدْہُ عِلْمًا وَفِقْھًا ۔ اے پروردگار اس کے علم و فقاہت میں اضافہ کرنا۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

حضرت عمرؓ:۔ تمہارے باپ رسول اللہ کے چچا اور تم رسول اللہ کے چچیرے بھائی ہو۔ پھر تمہاری قوم طرفدار کیوں نہیں ہوئی۔

عبداللہ بن عباس :۔ میں نہیں جانتا۔

حضرت عمرؓ:۔ لیکن میں جانتا ہوں تمہاری قوم تمہارا سردار ہونا گوارا نہیں کرتی۔

عبداللہ بن عباس :۔ کیوں

حضرت عمرؓ:۔ وہ نہیں پسند کرتے تھے کہ ایک ہی خاندان میں نبوّت اور خلافت دونوں آجائیں۔ شاید تم یہ کہو گے کہ حضرت ابوبکر نے تم کو خلافت سے محروم کر دیا۔ لیکن خدا کی قسم یہ بات نہیں۔ ابوبکر نے وہ کیا جس سے زیادہ

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

آپ تلمیذ باتمیز جناب امیر المومنینؑ تھے۔ آپ کہا کرتے تھے کہ وما علمی و علم الصحابۃ فی علم علیؑ الا کقطرۃ فی سبعۃ ابحر۔ (ینابیع المودۃ صفحہ ۱)
میرا اور دیگر صحابہ کا علم، علم علیؑ کے سامنے یوں ہے جیسے سات دریاؤں کے سامنے ایک قطرہ۔ طاؤس یمانی کا قول ہے کہ میں نے پانچسو اصحاب رسول ایسے دیکھے ہیں کہ اُن میں ہر ایک کو ابنِ عباس اس کی غلطی پر متنبہ کرتے تھے اور اُسے اقرار کرنا پڑتا تھا۔
آپ فقہ کے اختلافی مسائل میں ہمیشہ مسلک اہلبیتؑ کی ترجمانی اور استدلالی طور پر اسی کے حق میں جہاد کرتے تھے۔

مناسب کوئی بات نہیں ہوسکتی تھی۔ اگر وہ تم کو خلافت دینا بھی چاہتے تو ان کا ایسا کرنا تمہارے حق میں کچھ بھی مفید نہ ہوتا۔

دُوسرا مکالمہ اس سے زیادہ مفصّل ہے۔ کچھ باتیں تو وہی ہیں جو پہلے مکالمہ میں گذریں کچھ نئی ہیں اور وہ یہ ہیں:۔

حضرت عمرؓ:۔ کیوں عبداللہ بن عباس، تمہاری نسبت میں بعض باتیں سُنا کرتا تھا۔ لیکن میں نے اس خیال سے تحقیق نہیں کی کہ تمہاری عزّت میری آنکھوں میں کم نہ ہو جائے۔

عبداللہ بن عباس:۔ وہ کیا باتیں ہیں۔

حضرت عمرؓ:۔ میں نے سُنا ہے کہ تم کہتے ہو کہ لوگوں نے ہمارے خاندان سے خلافت حسداً اور ظلماً چھین لی۔

عبداللہ بن عباس:۔ ظلماً کی نسبت تو میں کہہ نہیں سکتا۔ کیونکہ یہ بات کسی پر مخفی نہیں۔ لیکن حسداً تو اس کا تعجب کیا ہے ابلیس نے آدمؑ پر حسد کیا اور ہم لوگ آدمؑ ہی کی اولاد ہیں پھر محسود ہوں تو کیا تعجّب ہے۔

حضرت عمرؓ:۔ افسوس خاندانِ بنی ہاشم کے دلوں سے پُرانے

رنج اور کینے نہ جائیں گے۔

عبداللہ بن عباس:۔ ایسی بات نہ کہیئے رسول اللہ صلعم بھی ہاشمی ہی تھے۔

حضرت عمرؓ:۔ اس تذکرے کو جانے دو۔

عبداللہ بن عباس:۔ بہت مناسب[1]۔

---

[1] تاریخ طبری ص ۲۷۶۸ تا ص ۲۷۷۱ بحوالہ الفاروق ص ۲۳۴ ج ۱ ط لاہور

مُناظرہ

۲

ایک شخص نے کسی قاضی سے سوال کیا کہ امیر المومنین علیہ السلام نے حکمین کے بارے گفتگو میں اپنے بیٹے حسن علیہ السلام سے کہا

"لیتنی مت قبل ھذا بعشرین سنۃ"۔[1]

ترجمہ:۔ کاش میں اب سے بیس سال پہلے مر جاتا۔

کیا وہ اپنی خلافت پہ شاکی تھے؟

قاضی نے کہا کہ مجھے جناب مریمؑ کے اس قول کا جواب دیں۔

یا لیتنی مت قبل ھذا وکنت نسیًا منسیًا[2]

ترجمہ:۔ (بیکسی میں شرم سے) کہنے لگیں کاش میں اس سے پہلے مر جاتی اور (ناپید ہو کر) بالکل بھولی بسری ہو جاتی۔

کیا وہ اپنی عفت اور طہارت پہ شاکی تھی۔

تیرا جواب ہی میرا جواب ہو گا۔

۱۔ زہر الربیع

۲۔ پ ۱۶ سورۂ مریم ۔ آیت ۲۳

مُناظرہ

۳

جنگِ جمل کے بعد ایک عورت بی بی عائشہ کے پاس آئی اور کہنے لگی :-

یا ام المومنین ماتقولین فی ام قتلت ولدھا

کہ ام المومنین آپ اس ماں کے بارے کیا فرماتی ہیں جس نے اپنے بیٹے کو قتل کیا ہو۔

توام المومنین نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مطابق وہ جہنمی ہے :-

ومن یقتل مؤمنًا متعمّدًا فجزاؤہ جہنّم[1] خالدًا فیھا ـ

ترجمہ :- جو شخص کسی کو جان بوجھ کر مار ڈالے اُس کی سزا دوزخ ہے اور وہ ہمیشہ اس میں رہے گا۔

---

[1] پ۵ ـ سورۂ نساء ـ آیت ۹۳

تو وہ عورت بولی، آپ کا اُس ماں کے بارے میں کیا
خیال ہے جس کے سبب ستّر ہزار اولاد قتل ہوئی ہو۔
بی بی عائشہ اُس عورت کی مُراد کو سمجھ گئی ۔
کہا دُور ہوجا اے کوفی خبیث عورت [1]۔

[1] زھرالربیع

مناظرہ

۴

علی ابن میثم[1] بیان کرتا ہے کہ ایک دن میں نے حسن[2] بن سہل کے پاس ایک ملحد[3] کو بیٹھے دیکھا جس کی وہ حد درجہ تعظیم بجا لا رہا تھا اور لوگ اس کے چوگرد بیٹھے تھے۔

میں نے جا کر حسن بن سہل سے کہا کہ میں نے ایک عجیب بات دیکھی ہے۔

انہوں نے پوچھا وہ کیا؟

میں نے کہا کہ میں نے ایک کشتی کو دیکھا جو بغیر ملاح اور ماصر[4] کے آر پار سے جا رہی ہے۔

جب یہ بات اس ملحد نے سنی تو اس نے حسن بن سہل سے کہا کہ یہ شخص تو پاگل معلوم ہوتا ہے۔

میں نے کہا کہ تو کس وجہ سے مجھے پاگل سمجھتا ہے تو وہ بولا کہ کشتی

۱؎ ایک شیعہ بزرگ عالم، آپ میثم تمار صحابیٔ امیر المومنین کے پوتے ہیں۔ علامہ شوشتری اور ابن ندیم نے لکھا ہے کہ آپ پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے مذہب اہل بیت کے مطابق علم کلام میں گفتگو کی اور امامت کے موضوع پر کتاب لکھی۔

۲؎ برادر فضل وزیر مامون۔

۳؎ جو دین سے برگشتہ ہو کر بے دینی اختیار کر گیا ہو۔

۴؎ کناروں پر باندھی ہوئی رسی جس کے ذریعے کشتی کو کھینچا جاتا ہے۔

لکڑی سے بنی ہے۔ ایک جماد بے رُوح اور بے شعور کیسے بغیر ملاح اور ماہر کے لوگوں کو اپنے اختیار سے آر پار لے جاسکتی ہے۔

میں فوراً بولا کہ جب تُو ایک بے رُوح اور بے شعور کشتی کو بغیر رسّی اور ملاح کے اپنے اختیار سے لے جانے اور لے آنے کو نہیں مانتا۔

تو تُو یہ کیسے تسلیم کرتا ہے کہ یہ بارشوں کا برسنا، دریاؤں کا جاری ہونا اور انگوریوں کا اُگنا بغیر کسی مدبّر کے ہو رہا ہے۔ اور اسی طرح باقی اُمورِ تکوینیہ کو بھی اسی پر قیاس کر لو۔

یہ سُن کر وہ ملحد متحیّر اور لاجواب ہوا۔

مناظرہ

۵

ایک دن علی بن میثم نے ایک نصرانی (عیسائی) کو دیکھا جو گلے میں چلیپا (صلیب کا نشان) کو آویزاں کئے ہوئے تھا۔

علی بن میثم :۔ تو نے گلے میں یہ کیا لٹکایا ہوا ہے۔

نصرانی :۔ یہ اس سولی کا نشان ہے جس پر یسوع مسیح کو سولی دی گئی تھی۔

ابن میثم :۔ کیا عیسیٰؑ اس سولی کو عزیز سمجھتے تھے (بقول تمہارے جس پر انہیں سولی دی گئی)۔

نصرانی :۔ ہرگز نہیں

ابن میثم :۔ کیا ان کے پاس سواری کیلئے کوئی گدھا بھی تھا۔

نصرانی :۔ جی ہاں

ابن میثم :۔ کیا عیسیٰ علیہ السلام یہ پسند کرتے اور چاہتے تھے کہ ان کا گدھا ان کی سواری اور باربرداری کے لئے زندہ رہے۔

نصرانی :۔ کیوں نہیں

ابن میثم :۔ جب وہ اُسے چاہتے تھے تو پھر اس کا نشان گلے میں کیوں نہیں ڈالا۔

یہ کہاں کی دوستی ہوئی کہ اُن کی پسندیدہ چیز کو تو چھوڑ دیا لیکن اُن کی جان لیوا اور غیر پسندیدہ چیز کی شبیہ کو گلے میں لٹکا لیا۔

ولایتِ علیؑ بنصِ جلی
کلمہ و اذان میں
علیٌ ولیُ اللہ
کے اثبات کے بارے
ایک مدلل اور علمی دستاویز قیمت -/۱۲ روپے

لہ بحار الانوار جلد نمبر ۱۰ درضمن مناظرات اصحاب امام رضا علیہ السلام

مناظرہ

⑥

امیر المؤمنینؑ کا بھائی عقیل جب معاویہ کے ہاں شام گیا تو اس نے عقیل کی بڑی آؤ بھگت کی۔ اُسے با صد اکرام و احترام بٹھایا اور اُسے فریفتہ کرنے کیلئے حکم دیا کہ اسے ایک لاکھ درہم دیئے جائیں۔

ایک دن معاویہ نے عقیل سے پوچھا کہ میرے اور اپنے بھائیؑ کے لشکر کے بارے تیرا کیا خیال ہے۔

عقیل نے کہا کہ میں نے جب اپنے بھائی کے لشکر کو دیکھا تو ان کی رات کو آنحضرت صلعم کی رات کی طرح اور اُن کے دن کو اُن کے دن کی مانند پایا۔

میں نے اُنہیں کسی اور کام میں مشغول نہیں دیکھا، اگر دیکھا ہے تو نماز پڑھتے یا قرآن پڑھتے۔

لیکن جب میں تیرے لشکر کے پاس سے گذرا تو میں نے اُن میں منافق ہی دیکھے۔

اس وقت عقیل نے پوچھا کہ اے معاویہ یہ کون ہے

جو تیرے دائیں طرف بیٹھا ہے۔ معاویہ نے کہا یہ عمرو عاص ہے۔

عقیل نے کہا یہ وہی ہے جس کے بارے میں چھ آدمیوں کے مابین لڑائی تھی اور ہر کوئی کہہ رہا تھا کہ میں اس کا باپ ہوں۔ پس ان میں قریش کا سنگ چست یعنی عاص بن وائل غالب ہوا۔

پھر پوچھا کہ یہ دوسرا کون ہے تو معاویہ نے کہا یہ ضحاک بن قیس فہری ہے۔ تو عقیل نے کہا اس کا باپ نر و مادہ کی جفتی کرانے میں بڑا ماہر تھا۔ پھر پوچھا یہ تیسرا کون ہے۔ معاویہ نے کہا ابو موسیٰ اشعری ہے۔

عقیل نے کہا یہ شخص سارقہ کا بیٹا ہے جس کی ماں بہت چور تھی۔

یہ سن کر اگلے بڑے غضبناک ہوئے کیونکہ ان کی سرعام رسوائی ہوئی۔

مخفی نہ رہے کہ جناب عقیل انساب عرب کا عالم تھا۔ ان دنوں علم انساب بھی علموں میں سے ایک علم تھا۔ اس لئے عقیل کو ہر کس کے حسب و نسب کا پتہ تھا۔

القصّہ معاویہ نے کہا کہ آپ میرے بارے کیا کہتے ہیں۔

اس کا مطلب یہ تھا کہ ایسی بات کرے گا جس سے اُن کا غصّہ فرو ہو جائے گا۔

عقیل نے کہا اس سلسلے میں مجھے بولنے سے معذور سمجھیں۔

لیکن معاویہ مصرّ رہا۔

اُس وقت عقیل نے کہا کہ حمامہ کو جانتے ہو۔

معاویہ نے کہا حمامہ کون ہے۔

عقیل نے اور کچھ نہ کہا بلکہ وہاں سے اُٹھ کر چل دیئے۔

معاویہ نے ایک نسب دان عورت کو جس کو علم حسب و نسب پہ پورا عبور حاصل تھا پاس بُلایا اور اس سے پوچھا کہ حمامہ کون ہے؟

تو اس عورت نے کہا اگر کہوں تو جان کی امان پاؤں۔

معاویہ نے کہا بے فکر رہ تو امن میں ہے۔

تو اس نسابہ نے کہا کہ حمامہ تیری دادی اور ابوسفیان کی ماں ہے جو ایّامِ جاہلیت میں جھنڈے والی ایک آزاد عورت تھی۔

معاویہ نے حاضرین سے کہا میں تم سے بڑھ گیا۔ لہذا غیظ و غضب میں نہ آیئے۔

عقیل نے بیٹھے بیٹھے ہی معاویہ نے حاضرین کو مخاطب کرکے کہا کہ تم ابولہب کو جانتے ہو جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے تبّت یدا ابی لھب وّ تب (ترجمہ:۔ ٹوٹ جائیں ابولہب کے ہاتھ اور خود وہ ستیا ناس ہو جائے)۔

اہلِ شام نے کہا نہیں۔

معاویہ نے (عقیل کی طرف اشارہ کرکے) کہا وہ اسی شخص کا چچا ہے۔

معاویہ کی اس بات کا مقصد عقیل کو تخفیف کرنا تھا۔

لیکن عقیل نے اُس وقت بلا تأمّل کہا کہ اَے لوگو!

اُبولہب کی عورت کو جانتے ہو جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وامرأتہٗ حمّالۃ الحطب ٥ فی جیدھا حبلٌ من مّسد (ترجمہ:۔ اور اس کی جورو بھی جو سر پہ ایندھن اُٹھا کر پھرتی ہے اور اس کے گلے میں بٹی ہوئی رسّی (بندھی) ہے)۔

(معاویہ کی طرف اشارہ کرکے کہا) وہ اس شخص کی

پھوپھی تھی۔

ابولہب کی عورت جمیلہ ابوسفیان کی خواہر اور معاویہ کی پھوپھی تھی۔

اس وقت عقیل نے کہا اے معاویہ جہنم میں جا کے دیکھے گا کہ میرے چچا نے تیری پھوپھی کو نیچے گرایا ہوگا پس انصاف کر اُن میں سے کون بہتر ہے۔

(دیکھو عمدۃ الطالب ص۱ تاریخ ابن خلکان بحوالہ منتخب التواریخ ص۱۲۶ شرح ابن ابی الحدید ص۱۵ ج۱ مطبوعہ بیروت

نمازِ جعفریہ

مطابق فتاویٰ

حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ آقائی الحاج میرزا حسن الحائری مدظلہ

قیمت ۵ روپے

مُناظَرہ

۷

ایک مرتبہ امام صاحب نے از رائے شماتت مومن طاق سے کہا کہ مات امامك کہ تیرا امام (جعفر صادق) مرگیا۔

مومن طاق نے فی البدیہہ کہا:۔

ولکن امامك من المنظرین الی یوم الوقت المعلوم۔

مگر تیرا امام تو روزِ قیامت تک مُہلت دیا گیا ہے وہ نہ مرے گا۔[1]

---

[1] احتجاج طبرسی ص ۱۹۸ چاپ قدیم۔
مجالس المومنین ص ۳۵۴ ج ۱ مطبوعہ تہران

مناظرہ

۸

ایک مرتبہ ابوحنیفہ نے مومن طاق[1] سے کہا کہ اے ابوجعفر! تم چونکہ رجعت کے قائل ہو اس لئے مجھے پانچ سو دینار قرض دیدو جب ہم تم رجوع کریں گے تو اس وقت مجھ سے لے لینا۔ مومن طاق نے فی البدیہہ کہا کہ احکام رجعت میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مخالفان اہلبیت علیہم السّلام رجعت کے زمانہ میں مسخ ہو کے اٹھیں گے لہٰذا تم مجھے اس بات کی ضمانت دو کہ تم اس وقت انسان ہی ہو کے اٹھو گے[2]۔

---

[1] ابوجعفر محمد بن علی بن نعمان الملقب بمومن طاق۔ آپ شیعوں کے ایک بڑے ماہر اور حاذق متکلم تھے۔

[2] احتجاج طبرسی ج ۲ ص ۱۴۸ مطبوعہ نجف

مُناظرہ

۹

ایک دن ابو حنیفہ نے مومن طاق سے کہا کہ اے ابو جعفر تم متعہ کو حلال جانتے ہو تو پھر کیوں اپنی کنیزوں کو متعہ پر مامور نہیں کرتے تاکہ تمہیں کما کر دیں اور تمہیں فائدہ ہو۔

مومن طاق:۔ ضروری نہیں کہ ہر حلال شئے مرغوب بھی ہو۔ تمہارے نزدیک بھی بنیذ (کھجور کی شراب) حلال ہے تم کیوں اپنی کنیزوں کو امر نہیں کرتے کہ وہ جا کر دکانوں میں بیٹھیں اور ساقی نشاط انگیز بن کر لوگوں کے آتش شوق کو تیز کریں اور تم مالا مال ہو جاؤ۔

ابو حنیفہ:۔ تو نے جواب ترکی بہ ترکی دیا لیکن پھر بھی سہمک انفذ تیرا تیر پار ہو جانے والا ہے۔

ابو حنیفہ:۔ سورۂ معارج کی آیت[1] حرمتِ متعہ پر دلالت کرتی ہے نیز حضور صلعم سے بھی متعہ کا نسخ مروی ہے۔

---

[1] والذین ھم لفروجھم حٰفظون الا علیٰ ازواجھم او ما ملکت ایمانھم فانھم غیر ملومین فمن ابتغی وراء ذالک فاولئک ھم العادون
اور جو لوگ اپنی شرمگاہوں کی اپنی بیویوں اور اپنی لونڈیوں کے سوا حفاظت کرتے ہیں تو ان لوگوں کی ہرگز ملامت نہیں کی جائیگی تو جو لوگ ان کے سوا خواستگار ہوں تو یہی لوگ حد سے بڑھ جانیوالے ہیں۔

مومن طاق :۔ سورۂ معارج مکی ہے اور آیۂ متعہ[1] مدنی اور روایت تمہاری شاذ اور مردود ہے۔

ابو حنیفہ :۔ آیۂ میراث[2] بھی متعہ کے منسوخ ہونے پر دال ہے۔

مومن طاق :۔ شریعت میں نکاح بغیر میراث ثابت ہے۔

ابو حنیفہ :۔ وہ کیسے۔

مومن طاق :۔ اگر کوئی مسلمان زن کتابیہ سے نکاح کرے تو کیا وہ عورت اُس کے بعد اُس کی وارث ہو سکتی ہے۔

ابو حنیفہ :۔ نہیں۔

مومن طاق :۔ پس یہیں سے ثابت ہے کہ نکاح بغیر میراث کے ہو سکتا ہے۔ (کشف الحقائق ص)

---

[1] فما استمتعتم بہ منھن فاتوھن اجورھن فریضۃً ۔ (سورۂ نساء آیت ۲۴)
یاں جن عورتوں سے تم نے متعہ کیا ہو تو انہیں جو مہر معیّن کیا ہے دے دو۔

[2] فلھن الثمن مما ترکتم من بعد وصیۃ ۔ (سورۂ نساء آیت ۱۲)
اگر تمہاری کوئی اولاد ہو تو تمہارے ترکہ سے (تمہاری بیویوں کو) آٹھواں حصہ ملے گا
ابو حنیفہ کا مطلب یہ تھا کہ عورت کیلئے متعہ جائز نہیں۔ آیۂ اوّل میں ازداج حلال ہے اور متعہ ماوراء
آیۂ ثانی میں خداوند تعالیٰ نے عورت کیلئے میراث قرار دی ہے۔ پس زن ممتوعہ اگر ازداج میں ہوتی اور اس کا نکاح صحیح ہوتا تو اُسے ضرور میراث مل جاتی حالانکہ متعہ والی عورت کو میراث نہیں ملتی۔ مومن طاق نے کہا کہ لازم نہیں کہ ہر عورت کو میراث ملے جیسے زوجۂ کتابیہ میراث نہیں لے سکتی اسی طرح ممتوعہ عورت بھی میراث نہیں لے سکتی۔

مناظرہ

۱۰

احمد بن عبداللہ برقی اپنے والد سے اور وہ شریک بن عبداللہ سے اور وہ اعمش سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ کوفہ میں قاضی القضاۃ ابی نعیم نخعی کے ہاں شیعوں کو خوارج کے ایک گروہ محکمہ کے ساتھ جمع ہونے کا اتفاق ہوا۔ اُن میں ابوجعفر بن نعمان المعروف بہ مومن طاق[1] بھی تھے۔

ابن ابی خدرہ[2] جو ایک سخنور آدمی تھے نے کہا کہ اے معشر شیعہ حضرت ابوبکر میں چار فضیلتیں ایسی ہیں جن کی کوئی رد نہیں کر سکتا۔

(۱) وہ ثانی رسول اللہ ہیں کہ حجرۂ طاہرہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ دفن ہیں۔

(۲) ثانی اثنین دو میں کے دوسرے ہیں غار میں۔

(۳) امامتِ نماز میں ثانی رسالتمآب ہیں کہ اُنہوں نے رسالتمآب

---

[1] بجستان میں ایک شہر کا نام اور طبرستان میں ایک قلعہ کا نام ہے۔

[2] خدرہ جو عمر بن ذہیل بن شیبان کا لقب ہے۔

صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے بعد مسجدِ نبوی میں پہلی نماز پڑھائی۔

(۴) ثانی اثنین صدیق اس اُمّت کے ہیں۔

اس وقت مومن طاق نے اُٹھ کر کہا کہ اے پسر ابی غدرہ میں ثابت کرتا ہوں کہ علیؑ تیرے بیان کردہ انہی چار خصائل میں حضرت ابوبکر کے لئے باعثِ عیب و منقصت ہیں اور لازم کرتا ہوں تیرے اُوپر اطاعت امیر المؤمنین علیہ السّلام از روئے کلام اللہ و سنّتِ رسول اللہ و دلیلِ عقل و اتفاق رائے ابراہیم نخعی و ابو اسحاق سبیعی و سلیمان بن مہران اعمش کے اے ابنِ ابی خدرہ یہ بتائیں کہ وہ گھر جس میں اللہ تعالیٰ نے بلا اجازت دخول منع فرمایا، کیا رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اُسے اپنی اہل و اولاد کے لئے بطورِ میراث چھوڑا یا تمام مسلمانوں کے لئے بطورِ صدقہ و خیرات۔

ابنِ ابی غدرہ سوچنے لگا۔

ابوجعفر نے کہا کہ میراث اُن میں جاری ہو تو بی بی عائشہ نو بیبیوں میں ایک تھیں ان کو نواں حصّہ آٹھویں کا اس مکان میں جس میں حضرت ابوبکر دفن ہیں پہنچا جو پورا ہاتھ بھر بھی نہیں ہوتا۔ اور اگر بطورِ تصدّق مسلمانوں کا مال ہوا تو اور بھی دشواری ہے۔ کیونکہ

اس وقت حضرت ابوبکر کا حق اس میں ایک ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان سے بھی زیادہ نہیں ہو سکتا۔ پھر وہ وہاں دفن ہوئے تو کیونکر ہوئے خانۂ پیغمبرؐ میں تو اُن کے حینِ حیات اور بعدِ وفات بدونِ اجازت کسی کو داخل ہونا روا نہ تھا بجز علیؑ اور اُن کی اولاد کے اُن کو اس میں وہ اُمور جائز تھے جو خود پیغمبر کے لئے جائز تھے۔ دیکھو مسجد کی طرف سے سب کے دروازے بند ہو گئے مگر حضرت علیؑ کا دروازہ کھلا رہا۔ حضرت ابوبکر نے سوراخ بھر کی گنجائش کے لئے درخواست کی تاکہ جمالِ رسولؐ کا نظارہ کر سکیں۔ لیکن اس کی بھی اجازت نہ ملی۔

عباس عمِ رسول اللہؐ کو تو اس پر بہت غصہ آیا۔

حضرتؐ نے فرمایا یہ دروازے میں نے نہیں بند کئے بلکہ خداوند تعالیٰ نے بند کئے ہیں۔

جیسا کہ موسیٰؑ کی مسجد میں تمام بنی اسرائیل کا سونا اور مخصوص حالت میں وہاں رہنا منع ہوا تھا۔ لیکن موسیٰؑ اور ہارونؑ کے لئے یہ اُمور جائز رکھے گئے تھے۔

ایسے ہی اس مسجد میں مجھ کو اور علیؑ کو جائز ہیں۔

---

۵۱ طبرانی در اوسط بنقل ثقات سے آورد کہ اصحاب جمع شدہ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

فانّ علیؑ بمنزلۃ ھارون من موسیٰؑ

کیونکہ علیؑ مجھ سے یوں ہیں جیسے ہارونؑ موسیٰؑ سے تھے۔

سب نے اس کی تصدیق کی۔ مومن طاق نے کہا یہ حضرت علیؑ کے لئے منقبت ہے اور حضرت ابوبکر کیلئے منقصت۔

باقی جو تو نے کہا کہ ثانی اثنین اذ ھما فی الغار مجھے یہ بتلاؤ کہ سوائے غار کے جب پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر انزالِ سکینہ ہوا تو اور مومنین کو بھی اس میں شامل گردانا یا نہیں۔

کہا! ہاں شریک کیا ہے۔

مومن طاق:۔ تو یہاں حضرت ابوبکرؓ پر انزال سکینہ نہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) آمدند و گفتند یارسول اللہ درہائے ہمہ رابستی و باب علی راکشادہ داشتی فرمودند من بستم و نہ کشادم خدا لبست و خدا کشادم و من مامور بسد جمیع ابواب غیر باب علی علیہ السلام (جذب القلوب شاہ عبدالحق محدث دہلوی) ص۱۶۱

ترجمہ:۔ طبرانی نے ثقہ راویوں کی سند سے ذکر کیا ہے کہ تمام اصحاب جمع ہو کر رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حضورِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ یارسول اللہ آپ نے سب دروازے بند کروا دیئے لیکن حضرت علیؑ کا دروازہ کھلا رہنے دیا۔

فرمایا نہ میں نے بند کروائے اور نہ ہی کھلوائے۔ خدا نے ہی کھلوائے اور خداوند تعالیٰ نے ہی بند کروائے۔ میں تو حکم دیا گیا ہوں کہ تمام دروازے بند کرائے جائیں اور علیؑ کا دروازہ کھلا رہنے دیا جائے۔ اسے امام احمد بن حنبل نے بھی اپنی مسند میں زید بن ارقم سے روایت کیا ہے

فرمایا بلکہ ان کو مخصوص بحزن و اضطراب رکھا۔ پس کہاں حضرت علیؑ کا بستر رسالتمآبؐ پر لیٹنا اور اپنی جانِ گرامی کو رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نثار کرنا اور کہاں حضرت ابوبکر کا غار میں آپ کے نزدیک گھبرانا[1] اور تلملانا۔

حاضرین نے اس میں بھی مومن طاق کی تصدیق کی۔

باقی تیرا یہ کہنا کہ وہ اس اُمّت کے دوسرے صدیق ہیں درست نہیں۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے اُن پر یہ واجب کیا ہے کہ حضرت علیؑ کیلئے استغفار کریں۔

---

[1] لکھا ہے کہ تلواروں کی چھاؤں میں بستر رسالتمآبؐ پر سو کر رسولؐ کو بچانیوالے علیؑ کی شان میں قدرت نے آیۂ و من الناس یشری نازل فرمائی۔

جب حضرت علیؑ بستر رسولؐ پر سوئے تو

قام جبرئیل علیہ السلام عند راسہ و میکائیل عند رجلیہ وجبرئیل ینادی بخ بخ من مثلک یا ابن ابی طالب یباھی بک الملائکۃ۔ (تفسیر کبیر ص۱۸۹ جلد ۲ مطبوعہ مصر احیاء العلوم غزالی ص۲۵۲ جلد سوم۔ مطبوعہ مصر)۔

تو جبرئیل آپ کے سرہانے اور میکائیل پائینتی کھڑے ہوئے اور جبرئیل منادی کر رہے تھے مبارک ہو مبارک اے علیؑ تیری مثل کون ہوگا۔ تجھ پہ خدا فرشتوں میں فخر و مباہات کرتا ہے۔

[2] حضرت ابوبکر اقتضائے بشری سے گھبرا اُٹھے۔ سیرۃ النبی ص۵۴۹ ج ۳ مطبوعہ اسلام آباد

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

والّذین جاؤ من بعدھم یقولون ربّنا اغفرلنا
ولاخواننا الّذین سبقونا بالایمان۔[1]

اور جو لوگ بعد میں آئے دُعا کرتے ہیں کہ پروردگارا
ہماری اور اُن کی جو ہم سے پہلے ایمان لاچکے مغفرت کر۔

اور صدّیق کا لقب لوگوں نے حضرت ابوبکر کو دیا ہے جبکہ
حضرت علیؑ کے صدق کی قرآن نے تصدیق کی۔ حضرت علیؑ نے
منبرِ بصرہ پر فرمایا کہ انا الصدیق الاکبر امنت قبل ان امن ابوبکر
وصدقت قبلہ[2] میں صدیق اکبر ہوں ابوبکر سے پہلے ایمان لایا ہوں اور میں نے ان سے پہلے رسول کی تصدیق کی حضار بولے کہ آپ نے سچ کہا۔

مومن طاق نے کہا رہا تیرا یہ کہنا کہ حضرت ابوبکر نے نماز
پڑھائی۔ تُو نے اس کو فضیلت سمجھا حالانکہ ایسا نہیں کیونکہ اگر
رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم نے اُسے امام بنایا تھا تو معزول
کیوں فرمایا۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ جب حضرت ابوبکر نماز پڑھانے
آگے کھڑے ہوئے تو حضرت نے صاحبِ فراش ہونے کے
باوجود آکر اُن کو وہاں سے ہٹا دیا اور خود نماز پڑھائی۔ پس

[1] پ ۲۸ سورۂ حشر آیت ۱۰
[2] ابن ماجہ ص ۱۲ ، ریاض النضرہ ج ۲ ص ۲۰۸ مطبوعہ مصر

یا تو وہ خود حیلہ کر کے رسُولؐ کی جگہ کھڑے ہوئے اور رسالتمآب صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم باوجود شدّتِ مرض مسجد میں تشریف لائے اور ان کو علیحدہ کیا تاکہ لوگ بعد میں اسے حجّت نہ بنا سکیں۔

اور یا پھر آپ ہی نے مامور فرمایا تھا تو یہ ویسی ہی صورت ہو گی جیسی کہ ابلاغ آیاتِ برأت میں حضرت نے مامور فرمایا پھر جبرئیلؑ پیغام لائے کہ اس کو تم خود یا وہ جو تجھ سے ہے پہنچائے۔

پس آپ نے حضرت علیؑ کو تبلیغِ آیات کے لئے مقرر فرمایا اور حضرت ابوبکر کو معزول کیا۔

بہرکیف حضرت ابوبکر کی فضیلت ثابت نہ ہوئی بلکہ اس سے اُن کی خلافت کے لئے عدم صلاحیّت کا اظہار ہوا۔

پس سب پکار اُٹھے کہ اے مومن طاق تُو نے درُست کہا۔

جب بات یہاں تک پہنچی تو لوگوں نے طاعتِ امیرالمومنینؑ کے وجوب پر دلیل طلب کی۔

مومن طاق نے کہا کہ جب آیۂ مافی ھدایۂ کونوا مع الصّادقین[۱] ـ سچّوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے صادقوں کی طاعت کا حکم دیا ہے اور دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ

---

[۱] سورۂ توبہ آیت ۱۱۹

صادقوں کی تعریف یوں فرماتا ہے:-

والصّابرین فی الباساء والضّرّاء وحین الباس
اولٰئک الّذین صدقوا و اولٰئک ھم المتّقون۔[1]

اور تنگدستی میں اور بیماری (میں) اور لڑائی کی سختی کے وقت ثابت قدم رہنے والے ہوں۔ پس یہی تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے (عملاً) سچ بولا اور یہی متقی ہیں۔

پس امیر المؤمنینؑ نے جہاد کی سختی سہی اور دیگر صحابہ کی طرح معرکۂ جنگ سے منہ نہ موڑا، وہ بیشک صادقوں سے ہیں۔

رہی حدیثِ رسولؐ سو حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا:-

انّی تارک فیکم الثقلین ما ان تمسکتم بھما لن تضلّوا بعدی ابدا کتاب اللہ و عترتی اھلبیتی فانّھما لن یتفرّقا حتّٰی یردا علیّ الحوض۔[2]

میں تم میں دو بڑی چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، کتاب اللہ اور میری اہلبیتؑ۔ اگر تم نے ان دو کو تھامے (رکھا) تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہونگے اور یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے تا اینکہ میرے پاس حوض کوثر پر وارد ہوں۔

---

[1] پ ۲ سورۂ بقرہ آیت ۱۷۷
[2] ترمذی شریف ص ۲۱۹ جلد دوم مطبوعہ کراچی۔ صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۸۰ مطبوعہ دہلی

اور فرمایا:۔

مثلُ اہل بیتی کمثل سفینۃ نوح من رکبھا نجی ومن تخلّف عنھا غرق ومن تقدّمھا مرق ومن لزمھا لحق۔[1]

ترجمہ:۔ میرے اہل بیت کی مثال کشتیٔ نُوح کی سی ہے۔ جو اس میں سوار ہوا وہ نجات پا گیا اور جو اس سے رہ گیا وہ غرقاب ہو گیا۔ اور جو ان سے بڑھا وہ گمراہ ہو کر دین سے نکل گیا اور جو ان سے پیوستہ رہا وہ کامیاب ہوا۔

رہی عقلی دلیل۔ سو عقلائے روزگار کا اس پہ اتفاق ہے کہ اطاعت اَعلم کی کرنی چاہیئے۔ اور تمام صحابہ حلِ مسائل کے لئے حضرت علیؑ کے محتاج تھے جبکہ وہ کسی کے محتاج نہ تھے۔

نیز قرآن مجید بھی اس پہ شاہد ہے:۔

افمن یھدی الی الحق احق ان یتّبع امّن لا یھدی الّا من یھدیٰ فمالکم کیف تحکمون[2]۔

ترجمہ:۔ جو شخص دین کی راہ دکھاتا ہے کیا وہ زیادہ حقدار

---

[1] مشکوٰۃ شریف صـ۵۷۳ مطبوعہ کراچی۔
[2] پ۱۱ سورۂ یونس آیت ۳۵

ہے کہ اس کے (حکم کی) پیروی کی جائے یا وہ شخص جو (دوسرے کی ہدایت تو درکنار) خود ہی جب تک دوسرا اس کو راہ نہ دکھائے وہ راہ نہیں پاتا۔ تم لوگوں کو کیا ہو گیا یہ کیسے فیصلے کرتے ہو۔

کہ اتباع اعلم کا ہی کرنا چاہیئے۔ راوی کہتا ہے کہ کیا ہی خوب تھا وہ دن کہ بہت سے لوگوں نے مذہب حقّہ اختیار کیا۔

(احتجاج طبرسی ص ۱۴۳ ج ۲ مطبوعہ نجف)

مُناظرہ

(۱۱)

ایک مرتبہ حضرت مومن الطاق خوارج کے پنجوں میں پھنس گئے۔

ان سے کہا تم علیؑ سے کس امر پر بیزار ہو۔ کہا انھوں نے دینِ خدا میں حکم مقرر کئے ولاحکم الا للہ پس وہ کافر ہو گیا۔

ابو جعفر نے تھوڑی دیر ادھر اُدھر کی باتیں کر کے کہا میں تمہارے ساتھ مناظرہ کرنا چاہتا ہوں۔

ضحاک خارجی جو ان کا سردار تھا نے کہا کہ کیا مضائقہ ہم موجود ہیں کہا کوئی اور بھی ہو کہ ہمارے نیک و بد میں تمیز کرے اور خطا و صواب میں فرق بتلاوے۔

خارجی اندھا ہو گیا اور اس گرفت کو نہ پا سکا اپنے اصحاب سے ایک طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ بڑا منصف مزاج ہے۔

یہ اس کار کے لئے رہا، مومن نے کہا مناظرہ ختم ہوا وہ حیران ہوا کہ یہ کیا۔ انھوں نے دیگر خوارج سے خطاب کر کے کہا کہ تمہارے صاحب نے بھی دینِ خدا میں حکم مقرر کیا

پس تمہارے عقیدے کے بموجب دین سے نکل گیا۔ خارجی اس کو سرزنش کرنے اور برا کہنے لگے اور مومن نے ان سے نجات پائی۔[1]

فتوحاتِ شیعہ

مبلغِ اعظم مولانا محمد اسماعیل مرحوم کے مناظروں کا عظیم مجموعہ

مؤلف:۔ مولانا الحاج ناصر حسین صاحب نجفی

قیمت ۲۰ روپے

[1] کشف الحقائق ص۳۷۸

مناظرہ

۱۲

ہشام[1] کا کہنا ہے کہ ایک دن یحییٰ برمکی نے ہارون رشید کے حضور میں مجھ سے سوال کیا کہ کیا حق دو مختلف جہتوں میں بھی ہوتا ہے۔

میں نے کہا نہیں۔

کہا اگر دو مرد کسی امر میں اختلاف کریں تو ہو سکتا ہے کہ دونوں حق پر ہوں۔

میں نے کہا میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ دونوں طرف حق نہیں ہوتا لامحالہ ایک حق پر ہوگا اور دوسرا باطل پر۔

---

[1] ہشام ابن الحکم جو امامیہ کے اکابر متکلمین میں سے تھے اور نہایت درجہ کے ذہین و فطین اور حاضر جواب تھے۔

ابن ندیم نے لکھا ہے کان حاذقاً بصناعۃ الکلام حاضر الجواب

کہ آپ علم کلام میں بہت ماہر اور بڑے حاضر جواب تھے۔ (فہرست ابن ندیم ص۲۵۰ طمصر)

ایک مرتبہ کسی نے آپ سے پوچھا ھل شھد معاویہ بدراً۔ کیا معاویہ جنگ بدر میں شامل تھا؟

ہشام نے فی البدیہہ کہا نعم من جانب الکفار ہاں تھا مگر کافروں کی طرف سے یعنی مسلمانوں کی جانب نہیں۔

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

یحییٰ نے کہا جب علیؑ و عباس کے مابین میراث
رسولؐ پر نزاع ہوا اور وہ دونوں حضرت ابوبکر کے پاس گئے
تو ان دونوں میں سے حق پر کون تھا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

ایک روز صادق آلِ محمدؐ ہشام سے الٰہیات کے بارے میں کچھ سوال کر رہے تھے اور وہ اس کے معقول جواب عرض کرتے جاتے تھے پس آپ نے فرمایا اے ہشام تم کو یہ فہم و ادراک خالق نے اس لئے عطا کیا ہے کہ اس سے ہمارے اعداء کو مقہور کرو۔

ہشام نے کہا انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔ پس حضرت نے ان کو دعا دی کہ نفعك الله به و ثبّتك۔

آپ نے مخالفین کے ساتھ سینکڑوں کامیاب مناظرے کئے جو مفصّل طور پر کتب میں درج ہیں۔

اسی وجہ سے صادق آلِ محمدؐ نے آپ کو ناصرنا بقلبه و لسانه و يده کے معزز لقب سے سرفراز فرمایا۔

حضرت کی رحلت کے بعد آپ حضرت امام موسیٰ کاظم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر کسبِ فیوض کرتے رہے۔ آپ نے ۱۷۹ھ میں امام رضا علیہ السلام کے عہدِ امامت میں وفات پائی۔

وفات کی خبر سن کر امام رضا علیہ السلام نے آپ پر رحمت بھیجی اور دعائے مغفرت کی۔

ہشام کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ اگر کہتا ہوں کہ علیؑ ناحق پر تھے تو اپنے مذہب سے دستبردار ہوتا ہوں۔ اور میرا دین برباد ہوتا ہے اور اگر عباس کو باطل کہتا ہوں تو ہارون کا خوف ہے کہ قتل کر ڈالے گا۔ عجیب کشمکش میں مبتلا ہوا۔ کیونکہ قبل ازیں اس مسئلے پر غور کرنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ یکایک مجھے صادق آلِ محمدؐ کی حدیث یاد آئی جس میں اُنہوں نے فرمایا:۔

لا تزال مؤیداً بروح القدس ما نصرتنا بلسانك

کہ اے ہشام جب تک تُو اپنی زبان سے ہماری نُصرت کرتا رہے گا رُوح القدس سے تیری تائید ہوتی رہے گی ساتھ ہی اس کا جواب بھی میرے دل میں آگیا۔

پس میں نے کہا کہ ان دونوں میں سے کوئی بھی ناحق پر نہ تھا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسی کہ قرآن میں داؤد علیہ السّلام کے قصّے میں ہے هل اتٰك نبؤا الخصم اذ تسوروا المحراب[۱]۔

(اسکی تفصیل قرآن مجید کی سورۂ ص میں موجود ہے)

آیا ان دونوں فرشتوں میں جو داؤدؑ کے پاس استغاثہ کیلئے گئے کوئی برسرِناحق تھا۔

۱؎ پ۲۳ سورۂ ص

یحیٰی نے کہا نہیں وہ تو دونوں فرشتے تھے دونوں حق پر تھے
اُن کا آپس میں کوئی جھگڑا نہ تھا۔ وہ تو صرف داؤد علیہ السّلام کو
تنبیہہ کرنے آئے تھے۔

پس میں نے کہا کہ اسی طرح علیؑ و عباس میں بھی کوئی
جھگڑا نہ تھا۔ وہ دونوں تو حضرت ابوبکر کو مسئلہ سمجھانے گئے تھے۔

یحیٰی خاموش ہو گیا۔

اور ہارون نے جواب کو پسند کیا اور آفرین و تحسین
کہی ۔ [1]

تفسیرِ خلافت

مسئلہ خلافت پر مبلّغ اعظم کی شاہکار تصنیف جو
مدّت مدید کے بعد چھپ کر منظرِ عام پر آ گئی ہے۔ قیمت -/۱۵ روپے

---

[1] بحار الانوار ص ۲۹۳ ج ۱ - ط - تہران

مناظرہ

۱۴

ایک دن ابوعبیدہ معتزلی نے ہشام بن حکم سے کہا کہ ہمارے صحیح العقیدہ اور تمہارے عقیدے کی بطلان کی دلیل یہ ہے کہ ہماری جمعیت زیادہ اور تمہاری تعداد کم ہے۔

ہشام :- تو ہم پر یہ طعنہ زنی نہیں کر رہا بلکہ خدا کے پیغمبر حضرت نوح علیہ السلام پر کر رہا ہے جنہوں نے ۹۵۰ سال مسلسل دن رات ایک کر کے لوگوں کو دعوتِ حق دی اور راہِ نجات کی تبلیغ کی۔ چنانچہ فما آمن معہ الا قلیل۔ [1]

ترجمہ:- ان پہ ایمان نہیں لائے مگر بہت کم لوگ جبکہ اکثریت ہلاک ہوگئی۔

---

[1] سورہ ہود۔ آیت ۴۰

مُناظرہ

(۱۴)

یونس بن یعقوب روایت کرتے ہیں کہ میں صادقِ آلِ محمدؐ کے حضور بیٹھا تھا۔

ایک شامی آنجناب کی خدمتِ اقدس میں وارد ہوا اور کہنے لگا کہ میں صاحبِ کلام و فقہ ہوں۔

امام علیہ السّلام نے فرمایا کہ تیرا کلام رسولِ خداؐ کی طرف سے ہے یا اپنی طرف سے بات کرنا چاہتا ہے۔

شامی:۔ کچھ باتیں رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے اور کچھ اپنی طرف سے کروں گا۔

امام علیہ السّلام:۔ پھر تو تُو رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شریک ہو گیا۔

شامی:۔ میں اُن کا شریک نہیں۔

امام علیہ السّلام:۔ کیا تُو وحی کو سنتا ہے

شامی:۔ نہیں۔

اُس وقت امام علیہ السّلام نے اپنے صحابہ کی طرف متوجّہ ہو کر فرمایا کہ اس سے بات کرو۔

ہر ایک نے ان سے بات کی۔

ہشام بن حکم جو ابھی نوخیز تھے کے بارے امام علیہ السّلام نے فرمایا کہ اے شامی اس بچے سے بات کرو۔

شامی نے ہشام کی طرف متوجّہ ہو کر کہا کہ اے بچّے اس فرد یعنی امام جعفر صادق علیہ السّلام کی امامت مجھ پہ واضح اور روشن کرو۔

ہشام:۔ جلال میں آ کر شامی سے کہنے لگا کہ کیا خدا لوگوں کی بہتری پہ زیادہ بصیر تر ہے یا لوگ خود اپنی بھلائی پہ زیادہ بصیر ہیں۔

شامی:۔ میرا پروردگار زیادہ بصیر ہے۔

ہشام:۔ خداوند تعالےٰ نے جو اپنے بندوں کیلئے بہتر سمجھا اُسے کیسے القا فرمایا۔

شامی:۔ خدا نے اُنہیں مکلّف کیا، اُن پہ حجّت تمام کی اور اُن پہ راہنما مقرر فرمایا۔

ہشام:۔ وہ دلیل و راہنما کون ہے۔

شامی:۔ رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

ہشام:۔ رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حجّت و دلیل

کیا ہے۔

شامی :۔ کتاب و سُنّت

ہشام :۔ کیا کتاب و سُنّت ہمارے اختلاف کو رفع کرنے اور ہم میں متمکّن اور اتفاق پیدا کرتے ہیں۔

شامی :۔ جی ہاں۔

ہشام :۔ پھر میرے اور تیرے مابین اختلاف کیوں ہے جس کے لئے تو شام سے سفر کرکے یہاں آیا ہے۔ تیرے خیال میں رائے دین کا راستہ ہے۔ اس صورت میں یہ بھی اقرار کرتا ہے کہ رائے ایسے قول پر جمع نہیں ہو سکتی جس میں اختلاف ہو۔

شامی :۔ ساکت ہو گیا۔

امام علیہ السّلام نے فرمایا اے شامی بولتا کیوں نہیں۔

شامی نے جواب میں کہا کہ کیا کہوں۔

اگر کہوں کہ اختلاف نہیں تو جھوٹ ہے۔ اگر کہوں کہ کتاب و سُنّت اختلاف کو رفع کرتے ہیں تو یہ بھی درست نہیں اس لئے کہ کتاب و سُنّت متحمّل الوجوہ ہیں یعنی اس کا ہر ایک اپنا معنی کرتا ہے۔

لیکن میں اس پر اس کا اپنا سوال لوٹاتا ہوں۔

امام علیہ السّلام نے فرمایا کہ اے شامی تو اس (ہشام) سے سوال کر۔

شامی :۔ صلاحِ خلق میں کون زیادہ بصیر ہے اُن کا پروردگار یا وہ خود۔

ہشام :۔ پروردگار زیادہ بصیر ہے۔

شامی :۔ کیا خدا نے لوگوں سے اختلاف دُور کرنے اور اُنہیں ایک کلمہ پر جمع کرنے کے لئے اور حق و باطل کے مابین تمیز کیلئے کسی کو مقرر فرمایا ہے۔

ہشام :۔ ہاں مقرر فرمایا ہے۔

شامی :۔ وہ کون ہے۔

ہشام :۔ ابتدائے شریعت میں رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے اور اُن کے بعد اُن کے غیر۔

شامی :۔ وہ کون ہے جو حجّت میں پیغمبر صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قائم مقام بنا۔

ہشام :۔ اس زمانے میں یا اس سے قبل۔

شامی :۔ اس وقت۔

ہشام :۔ (صادق آلِ محمدؐ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) یہ شخصیت جو پاس ہی جلوہ افروز ہے جن کے حضور لوگ آتے ہیں جو ہمیں جدّواب سے ملی ہوئی آسمانی خبریں دیتا ہے۔

شامی :۔ مجھے کیسے پتہ ہو۔

ہشام :۔ جس چیز کا آپ چاہیں سوال کر کے دیکھ لیں۔

شامی :۔ آپ نے میرا عذر منقطع کر دیا۔ اَب مَیں ان سے سوال کرتا ہوں۔

حضرت نے فرمایا بجائے اس کے کہ تُو سوال کرنے کی زحمت اُٹھائے مَیں خود تجھے بتاتا ہوں کہ تجھ پر اس سفر میں کیا گذری ، فلاں دن تُو گھر سے نکلا ، راستے میں تجھے کیا درپیش ہوُا ، تُو نے کیا کچھ دیا اور کہاں کہاں سے گذرا۔

غرضیکہ اس پر جو کچھ سفر میں بیتی تھی امام علیہ السّلام نے مِن وعَن سب کچھ بیان فرمایا۔

شامی نے کہا کہ خدا کی قسم آپ نے جو کچھ فرمایا بالکل بجا اور صحیح فرمایا۔ مَیں ابھی اسلام قبول کرتا ہُوں۔

حضرت نے فرمایا کہ اس وقت ایمان لے آ کیونکہ اسلام ایمان سے قبل ہے۔

اسلام ہیں توارث و تناکح ہے اور ایمان ہیں اس پر اَجر و ثواب۔

شامی نے کہا کہ آپ نے دُرست فرمایا۔ مَیں گواہی دیتا ہُوں کہ خدا وحدہٗ لاشریک ہے۔ محمد صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم اس کا رسُول ہے اور آپ اُس کے وصی ہیں۔ [1]

---

[1] احتجاج طبرسی صفحہ ۱۲۲ ج ۲ مطبوعہ نجف

مُناظرہ

۱۵

یونس بن یعقوب کا کہنا ہے کہ میں حضرت جعفر صادق علیہ السّلام کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ اس وقت آپ کے صحابی حمران بن اعین، مومن الطّاق، ہشام بن سالم وغیرہ بزرگوار تشریف رکھتے تھے۔ ہشام بھی (جو) جوانِ نو رسیدہ تھے حاضر تھے۔

پاک امام نے فرمایا، اے ہشام تیرے اور عمرو بن عبید معتزلی کے مابین جو گفتگو ہوئی تھی اُسے بیان کریں۔

ہشام نے جھجکتے ہوئے کہا یا ابن رسُول اللہ آپ کے سامنے لب کشائی سے مجھ کو حیاء مانع ہے۔

امام نے فرمایا جو مَیں نے حکم دیا ہے اس کو بجا لاؤ۔

پس ہشام نے کیفیتِ مناظرہ کو یُوں بیان کیا:۔

"کہ مَیں نے عمرو بن عبید کی شہرت سُنی کہ مسجد بصرہ میں بیٹھ کر وعظ کرتا اور لوگوں کو گمراہ کرتا ہے۔ یہ بات مجھ پہ بڑی شاق گذری۔

میں کوفہ سے چلا اور جمعہ کے دن بصرہ پہنچا۔

جب میں بصرہ میں داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ عمرو بن عبید معتزلی سیاہ عمامہ باندھے ہوئے اونی لنگ اور چادر پہنے ہوئے ہیں۔

میں لوگوں کو ہٹاتا، بچاتا آگے بڑھا اور صف آخر میں دو زانو ہو کر بیٹھ گیا اور کہا اے عالم! میں ایک مرد غریب اور مسافر ہوں۔ اگر اجازت ہو تو ایک مسئلہ آپ سے دریافت کروں۔

کہا، پوچھ جو کچھ پوچھنا ہے۔

میں نے کہا آپ کی آنکھ ہے۔

عمرو:۔ یہ بھی بھلا کوئی سوال ہے جو تو نے پوچھا۔

ہشام:۔ ہاں میرا یہی سوال ہے۔

عمرو:۔ ہر چند احمقانہ سوال ہے لیکن چلو پوچھ لو۔

میں:۔ آپ کی آنکھ ہے۔

عمرو:۔ ہے۔

میں:۔ آپ اس سے کیا کام لیتے ہیں۔

عمرو:۔ رنگ اور اجسام کو دیکھتا ہوں۔

میں:۔ آپ کی ناک ہے۔

عمرو:۔ ہے۔

مَیں :- اس سے کیا کام لیتے ہو۔

عمرو :- خوشبو اور بدبو سونگھتا ہوں۔

مَیں :- آپ کے کان ہیں۔

عمرو :- ہیں۔

مَیں :- اُن سے کیا کام لیتے ہو۔

عمرو :- آواز سنتا ہوں۔

مَیں :- آپ کی زبان بھی ہے۔

عمرو :- ہے۔

مَیں :- اُس سے کیا کام لیتے ہیں۔

عمرو :- کھانوں کا ذائقہ چکھتا ہوں۔

مَیں :- آپ کا دل بھی ہے۔

عمرو :- ہے۔

مَیں :- اس سے کیا کام کرتے ہو۔

عمرو :- جب حواس کے مدرکات مثلاً سونگھنے، سننے اور چھونے کی اشیاء میں شک ہوتا ہے تو اُن کی طرف رجوع کرتے ہیں وہ فیصلہ کرتا ہے۔

مَیں :- جب اعضاء و جوارح صحیح و سالم ہوں تو پھر دل کی کیا

حاجت۔

عمرو:۔ قلب نہیں بدن ہے اعضاء کا اس کے بغیر کام نہیں چلتا۔

میں:۔ اے ابومروان! جب اللہ تعالیٰ نے اعضائے بدن کو بحال خود نہیں چھوڑا بلکہ ان کے لئے بھی ایک امام مقرر فرمایا ہے۔ تاکہ بوقت جہل اور شبہ اسکی طرف رجوع کریں۔

یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اپنے بندوں کو حیرت، شک اور اختلاف کی حالت میں چھوڑ دیا ہو اور ان کے واسطے امام مقرر نہ کیا ہو۔ تاکہ حیرت و پریشانی کے وقت اس کی طرف رجوع کریں۔

یہ سن کر وہ ساکت ہوا، اور قدرے تامل کے بعد سر اٹھا کر پوچھتا ہے کہیں تو ہشام تو نہیں۔

میں نے کہا نہیں۔

کہا، اس کا جلیس و مصاحب ہے۔

میں نے کہا، نہیں۔

کہا، تو پھر کہاں کا رہنے والا ہے۔

میں نے کہا کوفہ کا۔

اس نے کہا پس تم ہشام ہی ہو کوئی اور نہیں۔

پس اُٹھ کے بغلگیر ہوا مجھے پاس بٹھایا۔
جب تک بیٹھا رہا کچھ کلام نہ کیا۔
امام علیہ السّلام یہ سُن کر متبسّم ہوئے اور فرمایا اَسے ہشام! یہ باتیں تم نے کہاں سے سیکھیں۔
عرض کی یا ابن رسُول اللہ! یہ سب کچھ مَیں نے آپ ہی سے اَخذ کیا ہے۔
حضرت نے فرمایا بخدا یہی دلیل صحفِ ابراہیمؑ و موسیٰؑ[۴] میں بھی لکھی ہوئی ہے۔

۱؎ اصول کافی ص۱۷۰ ج۱ مطبوعہ طہران۔ احتجاج طبرسی ص۱۲۲ ج۲ مطبوعہ نجف

مُناظرہ

(۱۶)

یکشنبہ کے دن ہارُون رشید کے وزیر یحییٰ بن خالدؔ برمکی نے اپنے گھر ایک مجلس تشکیل دی جس میں مذاہب مختلفہ کے افراد کو جمع کر کے اُن کا آپس میں مناظرہ کروایا۔ جب ہارُون کو اس بات کا پتہ چلا تو یحییٰ کو بُلا کر پُوچھا کہ یہ کس قسم کی مجلس تھی۔

یحییٰ نے کہا آنجناب نے جو مرتبہ مجھے بخشا ہے اس کے تحت مَیں نے اس سے بہتر اور کوئی چیز نہیں سمجھی کہ تمام مذاہب والوں کو جمع کرا کے اُن کا آپس میں مناظرہ کرواؤں گا۔

ہارُون نے کہا کہ مَیں بھی چاہتا ہُوں کہ ایسی مجلس میں شامل ہُوں اور اُن کی باتیں سُنوں لیکن اس حال میں کہ وہ مجھے نہ دیکھ پائیں کیونکہ ہوسکتا ہے کہ میری حشمت کی وجہ سے مرعُوب ہو کر وہ اپنے اعتقاد کا کھُل کر اظہار نہ کر سکیں۔

یحییٰ نے کہا کہ یہ تو امیر المؤمنینؑ کی رضا پر منحصر ہے جب چاہیں انعقاد ہوسکتا ہے۔

چنانچہ ایک دن حسب پروگرام یحییٰ نے اپنے گھر ایک مجلس برپا کی اور تمام مذاہب کے متکلمین کو جمع کیا اور ہارون کے لئے ایک خفیہ جگہ بنائی تاکہ وہ لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل بیٹھ کر سارا مناظرہ سن سکے۔

تمام متکلمین و مناظرین حاضر ہوئے جن میں ہشام بن حکم بھی تھا۔

اُس طرف سے معتزلہ جو مسئلۂ خلافت میں سخت مخالف تھے اور اس جانب سے ہشام جو بہترین اور عمدہ متکلم اور حریف پر غالب آنے والا مناظر تھا۔ معتزلہ نے باہم عہد کیا کہ ہشام سے اگر مناظرہ کریں تو مسئلہ امامت پر کریں۔ کیونکہ انہیں پتہ تھا کہ ہارون امامت کا منکر ہے۔

یحییٰ برمکی نے عبداللہ بن یزید ایاضی (جو خوارج کے متکلمین میں سے تھا اور ہشام کا بھی دوست تھا) سے کہا کہ اے عبداللہ! ہشام سے امامت کے بارے (جس میں تمہارا اختلاف ہے) بات کرو۔

ہشام نے کہا کہ اے وزیر! انہیں ہم سے سوال و جواب کا حق ہی نہیں اس لئے کہ یہ لوگ ہمارے ساتھ ایک فرد (یعنی علی

علیہ السّلام) کی امامت کے بارے متفق تھے لیکن بعد میں بغیر علم و معرفت ہم سے جُدا ہوئے۔ نہ ہمارے ساتھ موافقت کے وقت یہ لوگ حق شناس تھے اور نہ ہی مفارقت کے وقت بہ عارف و شناسا تھے۔

بنا بریں ہمارے درمیان کیا سوال و جواب ہو۔

جب بات یہاں تک پہنچی تو ایک حروری (خوارج کا ایک طائفہ) مذہب والے شخص جس سے بیان کہتے تھے نے ہشام کو مخاطب کر کے کہا کہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ نصب حکمین کے وقت اصحاب علیؑ مومن تھے یا کافر۔

ہشام :۔ وہ تین گروہ تھے (۱) مومن (۲) کافر (۳) گمراہ

۱۔ **مومن** :۔ وہ گروہ تھا جو ہمارے مانند کہتا تھا کہ علیؑ خدا کی طرف سے امام ہے اور معاویہ امامت کی صلاحیت نہیں رکھتا اور جو کچھ خدا نے علیؑ کے بارے میں فرمایا اس پر ایمان رکھتے تھے۔

۲۔ **مشرک** :۔ وہ گروہ تھا جو کہتا تھا کہ حضرت علیؑ امام ہیں، اور معاویہ بھی امامت کی صلاحیت رکھتا ہے وہ مشرک ہو گئے اس لئے کہ انہوں نے حضرت علیؑ کے امر امامت میں معاویہ کو بھی داخل کیا۔

بیان:۔ یہ تو ہوئے اصحابِ علیؑ۔ معاویہ کے اصحاب کے بارے کیا خیال ہے۔

ہشام:۔ وہ بھی تین گروہوں میں بٹ گئے:۔

(۱) کافر (۲) مُشرک (۳) گمراہ۔

۱۔ **کافر:**۔ وہ کہتے تھے کہ معاویہ امام ہے اور حضرت علیؑ امامت کی صلاحیت نہیں رکھتا پس وہ کافر ہو گئے اس لئے کہ اُنہوں نے دو لحاظ سے انکار کیا۔

ایک یہ کہ اُنہوں نے منجانب اللہ امام جو خدا نے متعیّن فرمایا تھا، سے انکار کیا۔

دوم کہ اُنہوں نے ایسا امام جو منجانب اللہ نہ تھا۔

۲۔ **مُشرک** وہ تھے جنہوں نے کہا کہ معاویہ امام ہے اور حضرت علیؑ بھی امامت کی صلاحیت رکھتا ہے۔ پس اُنہوں نے معاویہ کو حضرت علیؑ کے ساتھ شریک کیا۔

۳۔ **گمراہ:**۔ سو اُن کے بارے تو ابھی بتا چکا ہوں جو عصبیّت و حمیّت کی وجہ سے خارج ہو کر قبیلوں اور عشائر میں بٹ گئے۔

جب بات یہاں تک پہنچی تو بیان ساکت ہوا۔

ضرار جو خوارج کے متکلمین میں سے ایک تھا نے ہشام کی طرف رخ کر کے کہا میں تجھ سے سوال کرتا ہوں۔

ہشام:۔ تو نے خطا کی۔

ضرار:۔ وہ کیسے۔

ہشام:۔ جب تم نے میرے امام (علیؑ) کی رد میں اجماع کیا تو اب کیا سوال کرو گے چاہیئے تو یہ کہ میں تیرے مذہب کے بارے سوال کروں۔

ضرار:۔ بخوشی سوال کریں:۔

ہشام:۔ کیا آپ اس بات کے قائل ہیں کہ خدا عادل ہے اور ظلم نہیں کرتا۔

ضرار:۔ بالکل خداوند تبارک و تعالیٰ عادل ہے اور ہرگز ظلم نہیں کرتا۔

ہشام:۔ خدا اگر ایک کو مساجد و جہاد کو جانے کے لئے تکلیف دے یا کسی نابینا کو آسمانی کتابیں پڑھنے کے لئے مکلّف کرے، کیا آپ خدا کو عادل سمجھیں گے یا ظالم۔

ضرار:۔ خدا ہرگز کسی کو ایسی تکلیف نہیں دیتا۔

ہشام :۔ میں بھی جانتا ہوں کہ خدا ایسی تکلیف نہیں دیتا لیکن فرض کرو اگر وہ ایک غیر قادر کو ایسا کرنے کی تکلیف دے تو کیا وہ ظالم نہیں ہو گا۔

ضرار :۔ بالکل ظالم ہو گا۔

ہشام :۔ کیا خدا نے بندوں کو ایک ایسے دین جس میں اختلاف نہ ہو اور اس کے وظائف پہ سب عامل ہوں کا مکلّف کیا ہے یا نہیں۔

ضرار :۔ جی ہاں مکلّف کیا ہے۔

ہشام :۔ کیا خداوند تعالیٰ نے اس دین کی رہبری و رہنمائی فرمائی ہے یا نہیں۔ اور بغیر رہنما و دلیل کے مساجد و جہاد کو جاننے کے لئے کور چشم کو کتب پڑھنے کے لئے مکلّف کیا ہے۔

ضرار :۔ (یہ سن کر کچھ لمحے فکر میں پڑ گیا اور قدرے تأمل کے بعد سر اٹھایا اور کہا) ہاں ایک دلیل ہے لیکن اس سے مراد تیرے صاحب (علیؑ) نہیں۔

ہشام :۔ (مسکرا کر کہا) ایک لحاظ سے تو تو زبیر بار ہو گیا اور حق کو پہنچ گیا۔ اب میرے اور آپ کے مابین اختلاف

نہیں رہا مگر نام ہیں۔[1]

ضرار شرمندہ ہوا کیونکہ وہ پہلے امام کا قائل نہیں تھا۔

ضرار:۔ یہی سوال اب میں دُہرا کے تجھ سے کرتا ہوں۔

ہشام:۔ بیشک سوال کریں۔

ضرار:۔ امامت کیسے معلوم ہو۔

ہشام:۔ جیسے خدا نے پیغمبرؐ کو معلوم فرمایا۔

ضرار:۔ کیا وہ (امام) پیغمبر تھے۔

ہشام:۔ نہیں اس لئے کہ پیغمبر کو خدا ملائک کے ذریعے سے معیّن فرماتا ہے اور امام کو پیغمبر کے توسط سے۔ اور یہ ہر دو خدا کے اذن سے بنتے ہیں۔

ضرار:۔ اس پر آپ کے پاس کیا دلیل ہے۔

ہشام:۔ اضطرار

ضرار:۔ اضطرار کیا ہے۔

ہشام:۔ یہ موضوع بھی تین وجہ سے خالی نہیں۔

یا تو یہ کہ خداوند تعالیٰ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

---

[1] ضرار نے راہ نما اور امام کا ہونا مان لیا لیکن کہا کہ وہ تنہا امام علیؑ یا انؑ کی اولاد میں سے دیگر ائمہ نہیں۔

کے بعد تکلیف کو لوگوں سے اُٹھا لیا اور اُنہیں مکلّف نہیں فرمایا اور امر و نہی نہیں کی۔ بنا بریں لوگ درندوں اور چوپایوں کے مانند ہوں گے جن پر کوئی تکلیف شرعی نہیں کیا آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد لوگوں سے تکلیف اُٹھائی گئی۔

ضرارہ:۔ میں ایسا نہیں کہہ سکتا۔

ہشام:۔ پھر دوسری وجہ ماننی پڑیگی وہ یہ کہ لوگ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد مکلّف ہیں۔ آیا وہ علماء کے حوالے ہو گئے ہیں اور کیا وہ علماء پیغمبروں کے مانند ہیں حتیٰ کہ وہ بے نیاز اور ایک دوسرے کے محتاج نہیں اور سب حق رسیدہ ہیں اور اُن میں اختلاف نہیں۔

ضرارہ:۔ میں یہ بھی نہیں کہتا کہ وہ علم میں کامل ہیں اور ایک دوسرے کے محتاج نہیں۔

ہشام:۔ پس تیسری وجہ باقی رہ جاتی ہے اور وہ یہ کہ ایک ایسے عالم کے محتاج ہیں جو رسولِ خدا نے اُن کے لئے مقرر فرمایا ہے جو غلطی کرے اور نہ ہی سہو و زیادتی بلکہ گناہوں اور خطاؤں سے مبرّا اور معصوم ہے۔ لوگ

اُس کے محتاج ہیں اور وہ کسی کا محتاج نہیں۔

ضرار:۔ وہ کون ہے اُس کی پہچان

ہشام:۔ اُس کی پہچان کے لئے آٹھ دلیلیں ہیں چار دلیلیں صفتِ نسب کی اور چار صفتِ نفس کی۔

صفتِ نسب کی دلیلیں:۔

(۱) اُس کی جنس معلوم ہو۔

(۲) اُس کا قبیلہ معلوم ہو

(۳) اُس کا گھر معلوم ہو۔ (۴) صاحبِ ملّت و دعوت (پیغمبرؐ) کی طرف سے اس کے لئے اشارہ ہو چکا ہو۔

۱۔ **جنس:۔** عرب سے معروف تر جنس کوئی نہیں۔

اس لئے کہ اسی جنس سے صاحبِ ملّت و دعوت کے نام کی ندا منادی پانچ دفعہ بایں الفاظ دیتا ہے اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللہ۔ اور اُن کی دعوت پر نیک و بد، عالم و جاہل، مقرّ و مُنکر کو شرق اور غرب عالم میں پہنچتی ہے۔

پس اگر مخلوق پر خدا کی حجّت اس جنس سے نہ ہو تو کوئی آدمی عمر بھر عرب و عجم بلکہ ساری دُنیا کا چکّر کاٹے پھر بھی اُسے کوئی ایسا نہ مل سے گا۔ کیونکہ اکثر جیسے وہ صحیح سمجھے گا درحقیقت

غلط ہوں گے۔

اور خدا کے حکم اور اُس کی عدالت میں یہ جائز نہیں کہ کسی چیز کو لوگوں پر واجب کرے اور وہ اُسے پا نہ سکیں۔

پس اللہ تعالیٰ راہنما مقرر نہیں فرماتا مگر یہ کہ وہ صاحبِ ملّت و دعوت کی جنس سے ہو۔

دوم:۔ اس کا قبیلہ معلوم ہو۔ یعنی قربِ نسب کی وجہ سے وہ صاحبِ ملّت و دعوت کے قبیلہ سے ہو۔

سوم:۔ مَیں نے کہا تھا کہ اُس کا گھر معلوم ہو کہ وہ صاحبِ ملّت و دعوت کے بسبب قرابتِ بیت سے ہو۔

چونکہ اہلبیتؑ کے بارے کافی نزاع ہے اور ہر ایک اپنے لئے ادعا کرتا ہے۔

پس چاہیئے کہ صاحبِ ملّت و دعوت کی طرف سے اُس کے نام و نسب کا اشارہ ہو گیا ہو تاکہ دُوسرے اُس کی طمع میں نہ رہیں۔

باقی یہ کہ چار صفاتِ نفسانی بھی اس میں ہوں:۔

۱۔ اعلم تر ہو:۔ یعنی وہ فرائضِ خدا اور سُنّت سے واقف و

آگاہ ہو۔ اُس سے کوئی امر و نہی اور حکم شرعی مخفی نہ ہو۔

۲۔ معصوم ہو:۔ یعنی وہ تمام صغیرہ و کبیرہ گناہوں سے پاک ہو۔

۳۔ شجاع ہو۔

۴۔ سخی تر ہو۔

ضرار:۔ یہ آپ نے کیسے کہا کہ تمام لوگوں سے دانا تر اور اعلم تر ہو۔

ہشام:۔ اس لئے کہ اگر وہ احکام و شرائع اور سُنن خدا کو جاننے والا نہ ہوگا تو حدود کو متغیّر کرنے سے مامون نہ ہوگا جہاں حد جاری کرنی ہوگی وہاں جاری نہیں کرے گا اور جہاں نہیں کرنی ہوگی وہاں کرے گا اور احکام خدا کے خلاف احکام نافذ کرے گا۔ اصلاح چاہے گا لیکن (جہالت کی وجہ سے) فساد کر بیٹھے گا۔

ضرار:۔ یہ آپ نے کیسے کہا کہ وہ معصوم ہو۔

ہشام:۔ اگر گناہوں سے معصوم نہ ہو تو اکثر خطا کرے گا اور اپنے یا کسی رشتہ دار کے لئے کسی حکم یا حق کو چھپانے سے مامون نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ایسوں کو اپنی مخلوقات پر حجت

قرار نہیں دیتا۔

ضرار:۔ یہ آپ نے کیسے کہا کہ وہ تمام لوگوں سے زیادہ شجاع ہو

ہشام:۔ اس لئے کہ جنگوں میں مسلمانوں کی توجہ اس کی طرف ہوگی اگر وہ عدم شجاعت کی وجہ سے خود بھاگ جائے تو باقی تمام بھی اُسے دیکھ کر فرار کر جائیں گے اور اس آیۂ شریفہ کے مصداق ہوں گے۔

ومن یولّھم یومئذٍ دبرہ الّا متحرّفاً لقتال اومتحیّزاً الٰی فئۃ فقد باء بغضبٍ مّن اللہ وماوٰہ جہنّم وبئس المصیر۔ (سورۂ انفال آیت ۱۶)

ترجمہ:۔ اور اس شخص کے سوا جو لڑائی میں کترا ئے یا کسی جماعت کے پاس جاکر موقعہ پائے (اور) جو شخص بھی اس دن ان کفّار کی طرف سے اپنی پیٹھ پھیرے گا یقینی (اہر پھر کے) خدا کے غضب میں آگیا اور اُس کا ٹھکانہ جہنّم ہی ہے اور وہ (کیا) بُرا ٹھکانہ ہے۔

پس اگر شجاع نہ ہوگا تو فرار کرے گا اور اُس کی بازگشت غضبِ خدا کی طرف ہو گی۔ لہٰذا جائز نہیں کہ مخلوقِ خدا پر اس قسم کا آدمی حجت ہو۔

ضرار :۔ یہ آپ نے کیسے کہا کہ وہ تمام لوگوں سے سخی ہو۔

ہشام :۔ اس لئے کہ وہ مسلمانوں کا خزانہ دار ہوتا ہے۔ اگر سخی نہ ہو تو اس کا نفس اُسے لوگوں کے مال میں خیانت پر آمادہ کریگا پس وہ خائن ہو گا۔ اور جائز نہیں کہ خائن لوگوں پر حجّت بنے۔

جب بات یہاں تک پہنچی۔

ضرار :۔ آجکل ان صفات سے کون متصّف ہے۔

ہشام :۔ (از رُوئے تقیہ کہا) صاحب العصر امیر المومنین۔

لے محقق نہ رہے کہ ہارون نے ہشام کے خوارج کے ساتھ مکرّر مناظرے سُنے اور پسند کئے تھے۔ فرقۂ معتزلہ اور یحییٰ برمکی ہر دو امام کے دشمن تھے اس لئے وہ ہشام کے بھی دشمن تھے۔

انہوں نے امامت کی بحث شروع کروائی۔

ہشام کو یہ خبر نہ تھی کہ یہاں ہارون بیٹھا ہے لہٰذا اُس نے بے دھڑک اوصافِ امامت بیان کئے اور لوگوں پہ حجّت تمام کی۔

ہارون نے دیکھا کہ یہ اوصاف اس میں نہیں پائے جاتے بلکہ ان کے مصداق و مناسب موسیٰ ابن جعفر ہیں۔ اگرچہ ہشام نے ان اوصاف کا مالک بظاہر اُسے قرار دیا تھا۔ لیکن یہ سب کو معلوم تھا کہ اُس نے توریہ کیا۔

ہارون نے دیکھا کہ اگر یہ شخص مزید زندہ رہا تو آہستہ آہستہ لوگ بیدار ہو جائیں گے اور اسکی سلطنت میں رخنہ پیدا ہو جائیگا۔ اسلئے کہا کہ اسکی زبان لوگوں کے دلوں میں لاکھوں تلواروں سے زیادہ مؤثر ہے۔

ہارون پسِ پردہ یہ تمام مطالب سُن رہا تھا۔ اس نے کہا اس شخص نے ہمیں تھیلی عطا کی۔

حضرت جعفر بن یحییٰ برمکی جو ہارون کے پاس پسِ پردہ بیٹھا ہوا تھا، اس نے پوچھا اے جعفر اس شخص نے امیر المؤمنین سے کس شخص کو مُراد لیا ہے۔

جعفر نے کہا کہ یا امیر المؤمنین اس نے اس سے موسیٰ ابن جعفر کو مُراد لیا ہے۔

ہارون نے کہا کہ اس نے اس سے قصد بھی کیا۔ مگر اس کا جس میں یہ صفات پائی جاتی ہیں۔ اس کے بعد ہارون نے دانتوں سے لب کاٹتے ہوئے کہا کہ اگر اس قسم کا آدمی ایک ساعت بھی زندہ رہے تو میری سلطنت باقی نہیں رہ سکتی۔

خدا کی قسم اس قسم کے لوگوں کی زبانیں لوگوں کے دلوں کو کھینچتی ہیں اور لاکھوں شمشیروں سے بہتر ہیں۔

یحییٰ برمکی نے جان لیا کہ ہشام ہلاکت میں پڑ گیا۔

ہارون نے عتاب آمیز لہجے میں کہا کہ یہ شخص کون تھا۔

یحییٰ برمکی نے اٹھ کر کہا کہ اس کے دفع شر کے لئے میں کافی ہوں۔ چنانچہ پردہ سے باہر آیا اور ہشام پر جا کے زور ڈالا

ےلہ (دیکھو حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہشام کو بھی پتہ چل گیا کہ ہارون اس کی باتیں سُن رہا تھا۔

چنانچہ اُس نے خود کو ہلاکت میں دیکھا اور کسی طریقے سے وہاں سے اُٹھ کر گھر آیا۔ گھر والوں کو پنہاں ہونے کے لئے کہا اور خود کوفہ میں بشیر نبال جو صادق آلِ محمدؐ کے صحابہ میں سے تھے کے گھر چھُپ گیا اور اُسے سارا ماجرا کہہ سُنایا۔

ہارون نے اس کی تلاش کا فرمان صادر کیا۔ تلاش بسیار کے بعد جب وہ نہ مل سکا تو اس کے اعزاء و اقارب کو دھر لیا گیا ہشام بشیر کے گھر صاحب فراش ہوا اور وہیں وفات پائی۔

جب وہاں کے قاضی علماء اور ارکانِ دولت کو پتہ چلا تو ہارون کو خط لکھا کہ ہشام فوت ہو گیا۔ جب ہارون کو خط پہنچا تو اُس نے اُس کے آدمی رہا کر دیئے۔ مناظرات با دانشمندان ص۱۷۵

لہ (بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) یحییٰ برمکی اگرچہ ہشام کا دشمن تھا۔ لیکن اُس نے نہ چاہا کہ وہ اُس کے گھر گرفتار ہو یا مارا جائے۔ کیونکہ یہ بات عرب میں باعثِ ننگ تھی۔

مُناظرہ

(۱۷)

ضرار بن عمر[1] جو اہلِ سُنّت کے متعصّب متکلّموں میں سے ایک تھا ایک دن ہارون رشید کے وزیر یحییٰ بن خالد برمکی کے ہاں وارد ہوّا۔

یحییٰ نے اس سے کہا کہ کیا آپ کسی شیعہ سے مناظرہ کر سکیں گے۔

ضرار بولا کیوں نہیں۔ آپ جس کسی کو بھی لائیں میں حاضر ہوں۔

یحییٰ نے ہشام بن الحکم کو بُلایا اور اُس سے کہا کہ یہ (ضرار) شخص تیرے عقیدے کا مخالف ہے۔ اس کے ساتھ مسئلہ امامت پر مناظرہ کریں۔

ہشام نے یحییٰ کی فرمائش پہ ضرار سے سوال کیا کہ کس چیز سے امامت و ولایت واجب ہوتی ہے۔ کیا لوگ کسی کو اُس کے

---

[1] مناظرات باد انش مندان ص۱۲۷

ظاہری کردار سے امام مانیں یا باطنی کردار سے۔

ضرار :۔ ظاہری کردار سے اس لئے کہ باطن جسے اللہ ہی جانتا ہے وہ معلوم نہیں ہو سکتا مگر وحی کے ذریعے۔

ہشام :۔ آپ نے صحیح کہا۔

اچھا اب یہ بتاؤ کہ حضرت علیؑ اور حضرت ابوبکر دونوں میں سے کون زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کا دفاع کرتا اور جہاد میں کوشاں رہتا تھا۔

ضرار :۔ علی ابن ابی طالب لیکن حضرت ابوبکر بھی یقین محکم کے مالک تھے۔

ہشام :۔ یقین باطنی امر ہے اور تو نے ابھی خود کہا ہے کہ باطن کو اللہ ہی جانتا ہے۔ پس بظاہر تو حضرت علیؑ کے مقدم ہونے کا اقرار کرتا ہے۔

اگر معلوم ہو کہ اُن کا باطن بھی ظاہر کے موافق ہے تو اُن کی فضیلت قطعی ہوگی جس کا کوئی بھی انکار نہیں کر سکے گا۔

ضرار :۔ بالکل آپ صحیح کہہ رہے ہیں۔

ہشام :۔ کیا حضور صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے حضرت علیؑ کو یہ نہیں فرمایا

انت منّی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انّہ لا

نبی بعدی۔

ضرار:۔ فرمایا ہے۔

ہشام:۔ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے یہ فرمایا ہو لیکن یہ نہ جانتے ہو کہ اس (علیؑ) کا باطن مومن ہے۔

ضرار:۔ نہیں بلکہ وہ جانتے تھے۔

ہشام:۔ پس حضرت علیؑ کی فضیلت ظاہر اور باطن ہر دو جہتوں سے معلوم ہوئی جبکہ تیرے صاحب کی نہ بظاہر فضیلت معلوم ہوئی اور نہ بباطن۔ نتیجتاً حضرت علیؑ کی ولایت و امامت ثابت ہوئی۔

مُناظرہ

(۱۸)

ایک دن ہارون رشید نے جعفر برمکی سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ اہلِ کلام و مناظرہ کی باتیں سنوں۔ درحالیکہ وہ سب مجھے نہ دیکھ پائیں۔

جعفر نے ایک دن حسبِ پروگرام تمام اہلِ کلام و مناظرہ کو اپنے گھر بلایا اور ہارون کو ایسی جگہ بٹھایا جہاں سے وہ باتیں سن سکتے تھے لیکن کوئی انہیں دیکھ نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ سامنے پردے آویزاں تھے۔

جب تمام متکلّمین حاضر ہوئے اور مجلس متکلّمین سے پُر ہو گئی تو ہشام بن الحکم کا انتظار ہونے لگا تاکہ اُس سے گفتگو کرسکیں۔ تھوڑی دیر کے بعد ہشام بھی آ گیا۔ اس نے تمام کو سلام کیا لیکن جعفر کی تعظیم نہ کی اور اپنی نشست پر بیٹھ گیا۔

متکلّمین میں سے ایک نے اُسے مخاطب کر کے کہا کہ آپ حضرت علیؑ کو حضرت ابوبکر پر فضیلت کیوں دیتے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

ثانی اثنین اذ ھما فی الغار اذ یقول لصاحبہ لا تحزن

انّ اللہ معنا۔

ترجمہ :۔ جب وہ دونوں غارِ ثور میں تھے جب اپنے ساتھی کو سمجھا رہے تھے کہ گھبراؤ نہیں خدا یقیناً ہمارے ساتھ ہے۔

ہشام نے کہا کہ مجھے یہ بتلائیں کہ اس وقت حضرت ابوبکر کا حزن رضائے خدا کیلئے تھا یا غیر رضائے خدا کیلئے، وہ آدمی ساکت ہو گیا۔

ہشام نے کہا کہ اگر کہو کہ رضائے خدا کیلئے تھا تو حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اسے منع کیوں فرمایا۔

اگر رضائے خدا کے لئے نہیں تھا تو پھر اس میں کونسی شان ہے جس پہ آپ اتراتے پھرتے ہیں۔

دوم اللہ تعالیٰ سورۂ توبہ اور سورۂ فتح میں فرماتے ہیں :۔

انزل اللہ سکینتہ علی رسولہ وعلی المؤمنین (سورۂ توبہ آیت ۲۶)

خدا نے اپنے رسولؐ اور مومنین پر اپنی طرف سے تسکین نازل فرمائی۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو نزولِ سکینہ میں رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ شریک کیا۔ لیکن :۔

وانزل اللہ سکینتہ علیہ وایدہ بجنود لم تروھا۔ (سورۂ توبہ آیت ۴۰)

(ترجمہ :۔ خدا نے ان پر تسکین نازل فرمائی اور ایسے لشکر سے اُن کی

مدد کی جن کو تم لوگوں نے دیکھا تک نہیں) کی آیت میں نزولِ سکینہ صرف حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ خاص ہے۔

پس اس میں حضرت ابوبکر کی شان نہیں بلکہ ذم ہے۔

دوم:۔ میرے آقا کی وجہ فضیلت یہ ہے کہ ہم تم بلکہ سب یہ کہتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے فرمایا کہ جنت چار آدمیوں یعنی **علی** ابن ابی طالب، مقداد ابن اسود، عمار بن یاسر اور ابی ذر غفاری کی مشتاق ہے[1]۔ ان میں میرے آقا علیؑ داخل ہیں تیرے آقا نہیں۔

لہٰذا اس سے میرے آقا کی فضیلت ثابت ہوئی۔

سوم:۔ ہم تم اور سب اسکے قائل ہیں کہ اسلام کے نگاہ دار چار فرد ہیں:۔

(۱) حضرت علیؑ ابن ابی طالب۔ (۲) زبیر بن عوام (۳) ابودجانہ انصاری (۴) سلمان فارسی۔ پس اس فضیلت میں میرے صاحب کی فضیلت ثابت ہوئی۔

چہارم:۔ ہم تم اور سب اسکے قائل ہیں کہ (صدرِ اوّل میں) قراء صرف چار آدمی تھے۔ (۱) حضرت علیؑ ابن طالب (۲) عبد اللہ بن مسعود (۳) ابی ابن کعب (۴) زید بن ثابت۔ پس ان میں بھی میرے مولا شامل ہیں تیرے نہیں۔ لہٰذا میرے مولاؑ کی فضیلت ثابت ہوئی۔

---

[1] صواعق محرقہ ص ۱۲۵

پنجم:- ہم تم اور سب یہ کہتے ہیں کہ آسمان کی طرف سے پاک چار آدمی ہیں،
(اس میں آیۂ تطہیر کی طرف اشارہ ہے) علیؑ ابن ابی طالب، فاطمہؑ
حسنؑ، حسینؑ۔ ان میں بھی میرے پیشوا داخل ہیں تیرے نہیں۔ لہٰذا
میرے پیشوا کی فضیلت ثابت ہوئی۔

ششم:- ہم تم اور سب یہ جانتے ہیں کہ ابرار[1] چار شخص ہیں۔ (۱) علیؑ ابن ابی
طالب (۲) فاطمہؑ (۳) حسنؑ (۴) حسینؑ۔ پس ہم دیکھتے ہیں کہ اس میں
بھی میرے مولاؑ داخل ہیں تیرے نہیں۔ لہٰذا اس جہت سے بھی میرے
آقا و مولا علیؑ ابن طالب کی فضیلت ثابت ہے۔

ہفتم:- ہم تم اور سب اس کے قائل ہیں کہ قیامت کے دن کے
گواہ چار فرد ہیں۔ (۱) علیؑ ابن ابی طالب (۲) جعفر (۳) حمزہ
(۴) عبیدہ ابن حارث بن عبد المطلب۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ان میں بھی میرے مولاؑ داخل ہیں تیرے نہیں۔
پس اس لحاظ سے بھی میرے آقا و مولاؑ کو فضیلت حاصل ہے
جب بات یہاں تک پہنچی تو ہارون نے پردے کو حرکت دی۔
جعفر برمکی نے مجلس کو برخاست کیا اس حال میں کہ سب علماء
شرمندہ اور مرعوب تھے۔ (بحار الانوار ج ۱۰ ص ۲۹۷ اختصاص ایضاً)

---

[1] سورۂ دہر کی طرف اشارہ ہے جو باتفاقِ عامہ و خاصہ انہی کے شان میں نازل ہوئی۔

مُناظرہ

۱۹

ایک روز بہلولؒ ہارُون کے پاس آئے اُس وقت وہ بہت خوش و خرم تھا۔ اُس نے بہلول سے پُوچھا "آیا علیؑ ابن عباسؓ سے افضل تھے جو پیغمبرؐ کے چچازاد بھائی تھے یا ابنِ عباسؓ علیؑ سے افضل تھے۔

بہلول نے جواب دیا کہ "اگر حقیقت بیان کروں تو مجھے امان ہے؟"

ے جس کے معنی کشادہ رُو خوبصُورت کے ہیں۔
آپ کا اصل نام وہب بن عمر ہے۔ بقول قاضی نوراللہ شوستری آپ ہارُون رشید کے بنی اعمام میں سے تھے۔ آپ صاحبِ فتویٰ و اجتہاد تھے۔
ہارُون اپنی سلطنت کی بقا و حفاظت کے لئے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے خائف تھا۔
چنانچہ اُس نے حضرت کو درمیان سے ہٹانے کیلئے مفتیانِ زمانہ سے امام معصومؑ کے قتل کا فتویٰ طلب کیا۔ دیگر علماء نے فتوے دیئے مگر بہلول نے اُن کی رائے کی مخالفت کی اور باشارۂ معصومؑ خود کو دیوانہ بنایا آپ کے مناظرات ہارُون وغیرہ کے ساتھ مشہور و معروف ہیں۔

ہارون نے کہا تم امان میں ہو۔

بہلول نے کہا۔" علی علیہ السّلام محمدؐ بن عبد اللہ صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کے بعد تمام اہلِ اسلام سے افضل ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ وہ ایسے شجاع، بہادر اور صالح مددگارِ دین تھے کہ جن میں تمام نیک خصلتیں جمع تھیں اور دین کے معاملہ میں ذرّہ برابر کمی کی اور نہ خدا کے احکام میں۔

اور تمام احکام کو مُو بمُو عمل میں لائے اور ایسا مستحکم اور مضبوط عقیدہ رکھتے تھے کہ اپنی جان بلکہ اپنی اولاد کی جان دینا اصُول کے مقابلہ میں ناچیز سمجھتے تھے اور تمام غزوات میں لشکر کے نگہبانوں سے آگے رہتے تھے۔ کبھی نہ دیکھا گیا نہ سُنا گیا کہ کسی جنگ میں دشمن کی طرف سے مُنہ پھیرا ہو اور دشمن کو پیٹھ دکھائی ہو۔ اس خصوصیت کے باعث میں لوگوں نے حضرت سے سوال کیا کہ غزوات میں آپ اپنی جان کی پرواہ نہیں کرتے۔

خدانخواستہ دشمن پیچھے سے آکر آپ کو ہلاک کر دے۔

ارشاد فرمایا:۔

" دشمنوں سے میری جنگ خدا کی خوشنودی کیلئے ہُوا کرتی ہے۔ ہوا و ہوس اور ذاتی نفع و نقصان کا خیال نہیں ہوتا۔"

من تیغ از پئے حق میزنم
بندۂ حقّم نہ مامورِ تنم

میری جان قُدرت کے ہاتھ میں ہے۔ اگر مارا جاؤں تو خدا کی مرضی سے اور اُس کی راہ میں مارا جاؤں گا۔ اور اس سے زیادہ کونسی سعادت ہو سکتی ہے کہ خدا کی راہ میں قتل کیا جاؤں اور مومنین اور خدا کے خاص بندوں کی ہمسائیگی میں جگہ حاصل کر دوں۔

اور جب علیؑ خلیفہ ہوئے رات و دن میں ایک لحظہ آرام نہ کرتے تھے اور اپنے تمام اوقات کو مسلمانوں کے کاموں میں صرف فرماتے تھے اور خدائے بزرگ و برتر کی عبادت کرتے تھے اور ایک درم بھی ناجائز طور پر خرچ نہیں کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اُن کے بھائی عقیل جو زیادہ صاحبِ عیال تھے اُنہوں نے خواہش کی کہ اُن کے وظیفہ میں کچھ اضافہ کر دیں۔ حضرتؑ نے اُن کی خواہش رد کر دی۔ عقیل نے اصرار کیا تو حضرتؑ نے اُن کو اپنے گھر آنے کی دعوت دی۔ جب وہ حضرتؑ کے گھر گئے اور خلیفۃ المسلمین کی زندگی کا طریقہ دیکھا تو شرم سے اپنی خواہش کا اظہار نہ کیا۔ حضرت علیؑ کا اپنے تمام عاملوں کو حکم تھا کہ لوگوں پر ظلم نہ کریں اور اُن کے درمیان عدل و انصاف سے حکم کریں۔ اور جو حاکم

ذرّہ برابر ظلم وستم روا رکھتا اس کا نہایت سختی سے محاسبہ کرتے تھے اور اس کو فوراً معزول کر دیتے تھے اور اسے سزا دینے سے معاف نہیں کرتے تھے اگرچہ وہ آپ کا قریبی عزیز ہی کیوں نہ ہو جیساکہ ابنِ عباس کے ساتھ عمل کیا۔

جبکہ وہ حاکمِ بصرہ تھے بیت المال سے اُنہوں نے چند درہم اپنی ذات پر صرف کر لیئے تھے۔ آنحضرتؑ نے ان کو واپس طلب کیا اور اُن کو سرزنش کی اور ایک میعاد مقرر کر دی تاکہ وہ اس مدّت میں رقم واپس کر دیں۔ لیکن ابنِ عباس سے ممکن نہ ہوا کہ واپس کرتے تو امیر المومنینؑ نے اُنہیں کوفہ طلب کیا۔ ابنِ عباس جانتے تھے کہ علیؑ ایسے خلیفہ نہیں ہیں کہ اُن کی خطا سے چشم پوشی کر لیں گے اس لئے مکّہ چلے گئے اور خانۂ خدا کا دروازہ بند کر کے اُس میں بیٹھ گئے تاکہ محفوظ ہو جائیں۔

ھارون یہ سُن کر پشیمان و خجل ہوا اور چاہا کہ بہلول کے دل کو صدمہ پہنچائے۔ لہٰذا اُس نے کہا پھر ان فضل و کرامت کے باوجود کیوں قتل کئے گئے۔

بہلول نے جواب دیا کہ بہت سے خدا کے بندوں کو لوگوں نے مار ڈالا۔

عیسٰی بن مریم، داؤد اور یحییٰ علیہ السّلام وغیرہ ایسے ہزاروں پیغمبرانِ خدا اور صالح بندوں نے خدا کی راہ میں مجادلہ کیا[1] الخ

مناسکِ حج

شیعہ حجّاج کرام کے لئے خاص تحفہ

مطابق فتاویٰ آیتہ اللہ میرزا حسن الاحقاقی مدظلّہ

تالیف :- مولانا الحاج ناصر حسین صاحب نجفی

قیمت :- ۳/- روپے

[1] بہلول دانا صـ۳۲ تالیف محمود منتدین۔ مطبوعہ کراچی۔

مُناظرہ

۲۰

علماءِ مخالفین میں سے کسی نے ایک دن بہلول سے کہا کہ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ روزِ حشر حضرت ابُوبکر و عمرؓ کے اعمال ترازُو کے ایک پلڑے میں اور تمام مخلوقات کے اعمال دُوسرے پلڑے میں رکھے جائیں گے۔

پس اعمالِ شیخین کا پلڑا مخلوقات کے پلڑے سے بھاری ہوگا بہلول نے کہا کہ انّ کان ھذا الحدیث صحیحًا فالعیب فی المیزان۔ کہ اگر یہ حدیث صحیح ہو تو پھر ترازُو میں کوئی نقص ہوگا[1]

---

[1] زہرالربیع صفحہ ۲۵۰ مطبوعہ لبنان۔

مُناظرہ

۲۱

ایک دن بہلول کا ابُو حنیفہؒ کی مجلس درس کے پاس سے گذر رہا ہوا۔ اُس نے موصوف کو یہ کہتے ہُوئے سُنا کہ امام جعفر صادق علیہ السّلام کا یہ خیال ہے کہ بندوں کے افعال کا صدُور خود اُن کے اختیار سے ہوتا ہے حالانکہ یہ جھُوٹ ہے بلکہ فاعل جملہ اُمور کا حق تعالیٰ ہے۔

اور یہ گمان کرتے ہیں کہ شیطان آگ سے معذّب ہوگا یہ جھُوٹ ہے۔ کیونکہ شیطان جب خود آگ کا بنا ہوّا ہے تو اس کو آگ سے کیا عذاب ہوگا۔

اور کہتے ہیں کہ خدا موجود ہے مگر دیکھا نہیں جا سکتا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ موجود ہو اور دیکھا نہ جا سکے۔ یہ سُن کر بہلول نے ایک مٹی کا ڈھیلا اُٹھا کر امام صاحب کے اس زور سے لگایا کہ بھنّا گئے۔

لوگوں نے دَوڑ کر اُسے پکڑا اور خلیفہ کے پاس لے گئے۔ خلیفہ نے کہا تُو نے اس عالمِ جلیل کو کیوں مارا اور

اذیّت دی۔

بہلول نے کہا جھوٹ بولتا ہے میں نے اسے کب مارا ہے اسے تو خدا نے مارا ہے۔

اور اسے درد بھی نہیں ہوا۔ کیونکہ اس کی پیدائش مٹی سے ہے اور ڈھیلا بھی مٹی کا تھا۔ اور بقول اس کے جنس اپنے جنس کو اذیّت نہیں پہنچا سکتی۔

اور یہ جو درد کا اظہار کر رہا ہے سراسر کذب ہے۔ کیونکہ ابھی اس نے خود کہا تھا کہ ممکن نہیں جو شئے موجود ہو نظر نہ آئے تو اب اس کی بات ہیں اگر سچائی ہے تو دکھلائے درد کہاں ہے۔

امام موصوف سمجھ گئے کہ بہلول نے ایک ڈھیلے سے اسکی تینوں غلطیاں فاش کر دی ہیں۔ چنانچہ مُنہ دیکھتے ہی رہ گئے۔

خلیفہ صاحب کو بھی بات کا پتہ چلا۔ چنانچہ بڑے ہنسے اور بہلول کو رخصت دے دی۔

(روضات الجنات۔ شجرۂ طوبیٰ۔ منتخب التواریخ صفحہ ۲۶۸)

مُناظَرَہ

۲۲

ایک دن بہلول ہارُون رشید کے چچا زاد محمّد بن سلیمان کے ہاں وارد ہوُا۔

اُن کی مجلس میں عُمر ابن عطا عدوی بھی موجود تھا۔

بہلول نے اُسے مخاطب کر کے کہ تیری جدّ عمر ابن الخطاب نے حضرت ابوبکر کا نام صدّیق کیوں رکھا۔ کیا اُس وقت اور کوئی سچّا نہ تھا۔

عمر ابن عطا:۔ نہیں

بہلول:۔ تُو نے جھُوٹ کہا اور کتاب اللہ کی مخالفت کی اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:۔

والّذین آمنوا باللّٰہ ورسلہٖ اولٰئک ھم الصدّیقون۔[1]

ترجمہ:۔ اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسُولوں پر ایمان لائے وہی تو اپنے پروردگار کے نزدیک صدّیق اور شہید ہیں۔

---

[1] پ۲۷ سورۂ حدید آیت ۱۹

اور رسولِ خدا نے فرمایا:۔ اذا فعلت الخیر کنت صدیقاً
یعنی جب تُو نے امرِ خیر کیا تو راست گو ہوا۔

عمر ابنِ عطا:۔ چونکہ حضرت ابوبکر نے رسالتمآبؐ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی پہلے تصدیق کی۔ لہٰذا حضرت عُمر نے اُسے صدیق کہا۔

بہلول:۔ اوّلاً تو یہ حرف ممنوع ہے

دوم: خلافِ لُغت ہے اس لئے کہ اس صورت میں مصدّق بولا جاتا ہے صدّیق نہیں۔

سوم: یہ آیت کے مخالف ہے کیونکہ آیت مطلق ہے جس میں اوّل و آخر کی قید نہیں۔

عمر ابن عطا:۔ (کھسیانا ہو کر) تیرا امام کون ہے

بہلول:۔ میرا امام وہ ہے ریگِ صحرا نے جس کے ہاتھ میں تسبیح پڑھی۔

بھیڑیوں نے جن سے گفتگو کی۔

آفتاب جن کے لئے پلٹا اور پیغمبر صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے جس کی ولایت لوگوں پر واجب کی۔

عمر ابن عطا نے چاہا کہ بہلول قتل ہو۔ لہٰذا اُس نے کہا تجھ پہ وائے ہو اے بہلول!

کیا ہارون تیرا امام نہیں۔
بہلول نے کہا تجھ پر وبال ہو۔ کیا تو امیر المومنینؑ کو ان صفات سے دور سمجھتا ہے اور ان کا اہل نہیں سمجھتا۔
تو تو ہارون کا دشمن لگتا ہے جو بظاہر اس کی اطاعت کرتا ہے لیکن بباطن اس کی دشمنی۔
اگر ہارون کو تیری ان باتوں کا پتہ چل جائے تو تیری تادیب کریگا اور تجھے کیفرِ کردار تک پہنچا دے گا۔
یہ سن کر محمد سلیمان ہنس پڑا۔ اس نے حکم دیا کہ "عمر ابن عطا کو مجلس سے باہر نکال دو" اور بہلول سے کہا کہ "تو تو اچھا بھلا صاحبِ فضل و عقل ہے۔ دیوانہ ہے وہ جو تجھے دیوانہ کہے"۔
اچھا اب یہ بتائیں کہ حضرت علیؑ افضل ہیں یا حضرت ابوبکر
بہلول نے کہا خداوند تعالیٰ امیرؑ کو خوش اور سلامت رکھے علیؑ کی پیغمبرؐ سے نسبت یوں ہے جیسے جز کی کل سے یا جوڑ کی ہاتھ سے جو ایک دوسرے کے لئے قوت بخش ہوتے ہیں لیکن حضرت ابوبکر ایسے نہیں بلکہ ان سے جدا ہیں۔
پھر کہا اے بہلول یہ بتا کہ اولادِ علیؑ خلافت کی حقدار ہے یا اولادِ عباس۔

بہلول خاموش ہو گیا اس لئے کہ اگر اولادِ علیؑ کے بارے کہتا تو قتل ہو جاتا۔

آخر اس نے جواب دیا کہ دیوانوں پہ تحقیق و تمیز ضروری نہیں یہ کہہ کر وہ اُٹھ کر چل دیا۔[1]

مخفی نہ رہے کہ بہلول نے دراصل امیرالمومنینؑ سے مراد حضرت علی السّلام کو لیا۔ لیکن ظاہر یہ کیا کہ اس سے مُراد ہارونؑ ہے اور یہ اُس نے ویسا ہی کیا جیسے مومنِ آلِ فرعون نے فرعون کے ساتھ کیا تھا۔

جب اس (مومن) کے ساتھ چغلی کھائی گئی کہ یہ شخص تیری خدائی کو قبول نہیں کرتا بلکہ یہ ربِّ موسیٰؑ و ہارونؑ کا قائل ہے۔

یہ سُن کر فرعون بڑا غضبناک ہوا۔ اُس نے اُسے بلایا اور ارکانِ دربار کے سامنے اُس سے پوچھا کہ تیرا خدا کون ہے۔

مومن آلِ فرعون نے جواباً حاضرین سے سوال کیا کہ تمہارا خدا کون ہے۔

سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ فرعون۔

اس نے پھر پوچھا کہ تمہارا خالق کون ہے اُن سب نے کہا

---

[1] کتاب ایضاح طبری بحوالہ سفینۃ البحار ص۱۱۳ جلد اوّل چھاپ جدید۔

کہ فرعون۔

اس نے پھر سوال کیا کہ تمہارا رازق کون ہے، وہ بولے فرعون

اُس وقت مومن آلِ فرعون نے فرعون کو مخاطب کرکے کہا کہ اَے بادشاہ ! گواہ رہنا کہ میرا اور ان حاضر افراد کا خدا ایک ہے۔ میرا خالق و رازق وہی ہے جو ان کا ہے۔

جب فرعون نے یہ سُنا تو اس کی بڑی قدر افزائی کی، اُسے خلعتِ فاخرہ پہنائی۔ چغل خوروں کو سزا دی اور اُسے اپنا مقرّب بنایا۔

مناظرہ

(۲۳)

ایک دن ابوحنیفہ بیٹھا ہوا تھا۔ آس پاس مسائل پوچھنے والے کافی لوگ بیٹھے تھے۔ فضال بن حسن بن فضال نے جب انکی یہ حشمت دیکھی۔ تو اپنے ساتھی سے کہا کہ میں جاکر اُن سے مناظرہ کرتا ہوں۔

چنانچہ فضال بن حسن مجمع عبور کرکے ابوحنیفہ کے پاس آیا اور کہا کہ میرا ایک بھائی ہے جو رسول خدا کے بعد بہترین خلائق علیؑ کو سمجھتا ہے جبکہ میں رسولؐ کے بعد سب سے افضل حضرت ابوبکر و عمر کو سمجھتا ہوں۔ اس کے بارے آپ کیا فرماتے ہیں۔

ابوحنیفہ:۔ (قدرے سر جھکانے اور سوچنے کے بعد) تجھے پتہ نہیں کہ یہ دونوں بزرگ قبر میں رسولؐ کے پاس ہم خواب ہیں اس سے بڑھ کر (انکی) فضیلت اور کیا ہو سکتی ہے۔ یہ ہے اُن کا مقام اور یہ ہے اُن کی شان۔

فضال بن حسن:۔ میں نے اپنے بھائی کو یہ بات کہی تو اُنہوں نے جواب دیا کہ اگر وہ مکان حضور صلعم کے ساتھ خاص تھا تو اُنہیں (شیخین کو) وہاں دفن ہونے کا کوئی حق نہ تھا۔ اگر وہ مکان اُن کی ملکیت تھا جو اُنہوں نے رسولؐ کو بخشا تو پھر تو اُنہوں نے بہت ہی بُرا کیا کہ اپنا ہبہ واپس لیا۔

ابوحنیفہ:۔ (قدرے تامّل کے بعد) وہ مکان آنحضرتؐ کی ملکیت تھا اُنہوں نے بی بی عائشہ کو دے دیا تھا۔ چنانچہ وہ دونوں انہی کی وجہ سے وہاں دفن ہوئے۔

فضال:۔ میں نے بھائی سے یہ بھی کہا تھا تو بھائی نے جواب دیا کہ وقتِ رحلت پیغمبرِ اسلام کی نو ۹ بیویاں تھیں اور تقسیم کے لحاظ سے ہر ایک کا حصّہ ۱/۸ بنتا تھا۔ اس حساب سے نو بیویوں کے مابین تقسیم کرنے سے فی کس حصّہ بالشت بھر بھی نہیں آتا۔ چہ جائیکہ دو بیویوں کو اتنی جگہ ملے اور وہ پھر ان دو بڑے بزرگوں کو وہاں دفن کریں۔ اور ساتھ ہی بھائی نے یہ بھی کہا تھا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ بی بی عائشہ و حفصہ کو تو میراث رسولؐ سے حصّہ ملے اور فاطمہ بنتِ رسولؐ اُس سے محروم ہو۔

یہ سُن کر ابوحنیفہ جواب سے عاجز ہوئے اور بولے کہ اس شخص کو مجھ سے دُور کرو یہ رافضی ہے۔

احتجاج طبرسی صفحہ ۱۴۹ ج ۲ طبع نجف بحارالانوار صفحہ ۲۱ ج ۱۰ طبع تہران

مناظرہ

(۲۴)

شیخ عبدالسلام جو سلسلہ صوفیہ کے سرآمد روزگار فرد ہیں جنہوں نے اتنا بلند مقام حاصل کیا کہ لوگ لشکر کے پرچموں پر لکھنے لگے :۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ اَلشَّیْخُ عَبْدُ السَّلَام وَلِیُّ اللّٰہ

ایک دن شیخ نے مسجد بصرہ میں دوران نماز کہا کخ (جو کہ چخ چخ کا معرب ہے) جب نماز سے فارغ ہوئے تو مریدوں نے پوچھا کہ وہ کونسی بات تھی جس کی وجہ سے آپ کو نماز میں کخ کخ کہنا پڑا۔

تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے بیت الحرام میں ایک کتے کو داخل ہوتے دیکھا تھا کہ وہ باب کعبہ کے قریب ہوا تو میں نے اسے دور بھگانے کی خاطر یہ کہا۔

مرید یہ سن کر بڑے خوش اور شگفتہ ہوئے۔

ان مریدوں میں سے ایک کی عورت شیعہ تھی۔

جب اس نے اپنے شیخ کی یہ کرامت اپنی بیوی کو سنائی تو اُس نیک نہاد نے کہا کہ ایسی بزرگ اور بابرکت شخصیت کو تو گھر دعوت دینی چاہیئے چنانچہ شوہر نے حامی بھری اور شیخ کو اُن کے کچھ مُریدوں کے ہمراہ کھانے کی دعوت دی۔ اس عورت نے کھانا تیار کیا۔ دستر خوان چُنا گیا۔

ہر پلیٹ میں بھنا ہوا مُرغ اور اسکے ساتھ نان، مُریدوں کے سامنے رکھے گئے لیکن شیخ کی تھالی میں مُرغ کو نانوں کے نیچے رکھا گیا۔ کھانا لاتے وقت جب شیخ کو مُرغ نظر نہ آیا تو لال پیلا ہو گیا اور جھک کر بولا بے جاؤ اس کھانے کو۔ تم نے میری پلیٹ میں مُرغ نہ ڈال کر میری توہین کر دی ہے۔

شوہر کی تنبیہہ پر وہ عورت مسجد میں شیخ کے پاس آئی اور اُس نے نانوں کے نیچے سے مُرغ نکال کر اُن کو پیش کیا اور کہا کہ اے شیخ اور مُرشد! تجھے بصرہ سے بیت الحرام میں تو کُتا نظر آ گیا (جس کیلئے تو نے اپنی نماز شکستہ کی) لیکن یہاں تجھے کیا ہوا کہ بھُنے ہوئے مُرغ کو روٹیوں کے نیچے نہ دیکھ سکا۔

یہ سُن کر شیخ آگ بگولا ہو کر بولا هٰذِهٖ رَافِضِيَّةٌ خَبِيْثَةٌ کہ یہ عورت رافضی اور خبیثہ ہے۔ پس شیخ اپنے مُریدوں کے ہمراہ وہاں سے چلتا بنا اور اس کا میزبان مُرید شیعہ ہو گیا۔ [1]

---

[1] منتخب التواریخ ص ۲۹۷

مُناظرہ

(۲۵)

علامہ شبلی نعمانی نے المامون ط۱۵۹ میں لکھا ہے کہ "مامون کا ایک مشہور مناظرہ جس میں اُن کا یہ دعویٰ تھا کہ تمام صحابہ میں حضرت علیؑ افضل تر ہیں" ایک بڑے معرکے کا مناظرہ ہے۔ قاضی یحیٰی بن اکثم اور چالیس بڑے بڑے فقیہ اس دعویٰ کے مخالف تھے اُدھر مامون تنہا سب کا طرفدار مقابل تھا مناظرہ کے وقت حاکمی و محکومی کا پردہ اُٹھا دیا گیا تھا اور ہر شخص کو گفتگو میں پوری آزادی حاصل تھی۔ صبح سے تقریباً دوپہر تک دونوں فریق نے دادِ سخن دی۔ مگر انصاف یہ ہے کہ میدان مامون کے ہاتھ رہا یہ پورا مناظرہ کتاب العقد[۱] میں مذکور ہے اور حق یہ ہے کہ مامون کی وسعتِ نظر، جوف ذہن، کثرتِ معلومات، حُسنِ بیان، زورِ تقریر کا ایک حیرت انگیز مُرقّع ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یوں ہے کہ یحیٰی بن اکثم قاضی القضاۃ کا کہنا ہے کہ ایک دن مامون نے مجھے طلب کر کے کہا کہ تجھے چاہیئے

---

۱ عقد الفرید ص۲۸ جلد دوم۔ ط مصر۔ تالیف شہاب الدین المعروف بہ ابن عبد ربہ الاندلسی المالکی المتوفی ۳۲۸ھ

کہ علمائے حدیث اور کلام و مناظرہ کا ایک گروہ میرے پاس بلائیں تاکہ
میں اُن سے مباحثہ کروں۔

چنانچہ حسب الحکم میں نے چالیس جلیل القدر اور متبحر
علماء کو جمع کیا۔ مامون رشید کو اطلاع دی۔ اِذنِ باریابی ہوئی
رسمی علیک سلیک اور تعارف کے بعد اُن سے کہا کہ جا کر
حوائجِ ضروریہ سے فارغ ہو کر ایک علمی نشست کیلئے حواس مجتمع
کر کے مستعد ہو کر آئیں۔

تھوڑی دیر بعد سارے علماء تیار ہو کر اندر آئے اور اپنی
نشستوں پر براجمان ہوئے۔

مامون نے کہا اے صاحبانِ علم و حکمت میں نے تمہیں اس لئے
آنے کی زحمت دی ہے کہ تم سے مباحثہ کروں۔

خدا سے ڈرو، روزِ جزا کو سامنے رکھو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ
میرے شوکت و جلال کی وجہ سے تم حق کو چھپاؤ اور غلط بات کی
تردید نہ کرو۔

میری شان کو خاطر میں نہ لاؤ بلکہ رضائے خدا کی خاطر میرے
ساتھ عقلی گفتگو کرو۔

تمام علماء اس انتظار میں تھے کہ دیکھو اب خلیفہ کیا کہتا ہے۔

اس وقت مامون نے مباحثہ کا آغاز ان الفاظ کیا کہ:-
"میں سمجھتا ہوں کہ بعد از نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم حضرت علیؑ تمام لوگوں سے افضل ہے"۔ اگر میں صحیح سمجھتا ہوں تو میری تصدیق کرو اگر خطا پر ہوں تو مجھے سمجھاؤ۔ چاہو تو مجھ سے پوچھو نہیں تو میں تم سے سوال کرتا ہوں۔

اُن میں سے علماء حدیث نے کہا کہ ہم آپ سے سوال کرتے ہیں۔

مامون نے کہا کہ بات کرنے کے لئے ایک شخص کو مقرر کرو جو سب کی نمائندگی اور ترجمانی کرے۔ اگر کسی نے مزید کچھ کہنا ہو تو اُسے بتائے اگر وہ اٹک جائے تو اُسے لقمہ دیں۔ اُن میں سے ایک شخص نے ذمہ داری قبول کر لی اور کہا کہ ہم گمان کرتے ہیں کہ پیغمبر صلی اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد سب سے بہتر حضرت ابوبکر ہیں۔ اس لئے کہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ "میرے بعد حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی اقتداء کرو"۔

جب حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اُن کی اقتداء کا حکم دیا تو ثابت ہوا کہ وہ سب سے بہتر ہیں نہیں تو رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کبھی بھی غیر بہتر افراد کی اقتداء کا حکم نہ دیتے۔

مامون نے کہا کہ روایات بہت ہیں لیکن قسمیں اُن کی تین ہیں:۔

(۱) یا تو ساری حق ہیں۔

(۲) یا ساری باطل

(۳) یا بعض حق ہیں بعض باطل

اگر کہو کہ تمام حق ہیں تو لازم آئے گا کہ تمام باطل ہوں، اس لئے کہ اُن میں تناقض ہے یعنی ایک دوسرے کی تکذیب کرتی ہیں۔

اگر کہو کہ باطل ہیں تو دین و شریعت کا بطلان لازم آتا ہے۔

پس ناچار ہیں تیسری قسم لینی پڑے گی یعنی بعض حق ہیں اور بعض باطل۔ اور اس کیلئے بھی ہمیں ایک دلیل کی ضرورت ہو گی جو حق و باطل کے مابین تمیز کر سکے۔

باقی جو روایات تم نقل کرتے ہو وہ خود آپ اپنا ابطال کرتی ہیں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم احکم الحکماء اور اصدق الناس ہیں۔ لہٰذا یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ کسی امر محال یا خلاف دین بات کا حکم دیں۔

رہا روایت میں دو صاحبان کی اقتداء کا مسئلہ سو وہ دو شخص یا تو ہر لحاظ سے متفق ہوں گے یا مختلف۔ اگر کہو کہ ہر جہت یعنی عدد صورت اور جسم کے لحاظ سے متفق ہیں تو یہ معدوم اور ناممکن ہے۔

اگر کہو کہ وہ دونوں آپس میں مختلف ہیں تو پھر ان دونوں کی اقتداء کیسے جائز ہوئی یہ تو تکلیف مالایطاق ہوگی۔

کیونکہ اگر آپ ایک کی اقتداء کریں گے تو لازماً دوسرے کی مخالفت کریں گے۔ ان دو صاحبان کے اختلاف کی دلیل یہ ہے۔

کہ حضرت ابوبکر نے مُرتدین زکوٰۃ کو اسیر کیا لیکن حضرت عُمر نے انہیں آزاد کیا۔

حضرت عُمر نے حضرت ابوبکر کو مالک بن نویرہ (جو ایک مسلمان شخص تھا کے قتل کے سبب خالد بن ولید کے معزول کرنے کیلئے کہا لیکن اُس نے ایسا نہ کیا۔

حضرت عُمر نے مُتعہ حرام کیا لیکن حضرت ابوبکر نے ایسا نہ کیا۔

حضرت عمر نے لوگوں کو عطیات دینے کا اعلان کیا لیکن حضرت ابوبکر نے نہ کیا۔

حضرت ابوبکر نے اپنے بعد خلیفہ مقرر کیا لیکن حضرت عمر نے نہ کیا۔

ازیں قبیل ان کے مابین کافی اختلاف ہے۔

لہٰذا اگر ایک کی اقتدا کی جائے تو لازماً دوسرے کی مخالفت کرنی پڑے گی۔

ماموں:۔ یہ بات بھی غلط ہے کیونکہ حضرت علیؑ نے حضرت ابوبکر کی بیعت نہیں کی اور تم خود بھی یہ روایت کرتے ہو کہ حضرت علیؑ نے بیعت نہیں کی حتّٰی کہ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا رحلت فرما گئیں اور بی بی پاک نے یہ وصیت فرمائی کہ انہیں رات کو دفن کیا جائے اور ان دونوں میں سے کسی کو بھی میرے جنازے میں شامل نہ کیا جائے۔

دوم:۔ یہ کہ اگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُسے خلیفہ بنایا تھا اُس نے خلافت کا جُوا اُتارتے ہوئے یہ کیوں کہا کہ میں نے دو حضرات یعنی ابوعبیدہ اور حضرت عمرؓ کو خلافت کے لئے پسند کر لیا ہے۔

ایک عالم:۔ عمرو بن العاص نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ آپ کے نزدیک بہترین عورت کونسی ہے تو اُنہوں نے فرمایا عائشہ۔

---

۱ بخاری شریف صفحہ ۶۶۹ جلد دوم۔ صحیح مسلم صفحہ ۹۱ جلد دوم۔ مطبوعہ دہلی

کہاں مردوں میں ؟

تو آپ نے فرمایا کہ اُن کا باپ ۔

مامون :۔ یہ بھی جھوٹ ہے اس لئے کہ تم خود روایت کرتے ہو کہ ایک مرتبہ حضور صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس ایک بھنا ہوا پرندہ لایا گیا تو اُنھوں نے دُعا مانگی :۔

اَللّٰھُمَّ اِئتِنی بِاَحَبِّ خَلقِكَ اِلَیكَ ۔ کہ خدایا میرے پاس (شریکِ طعام ہونے کے لئے) اپنے محبوب اور سب سے زیادہ پسندیدہ مخلوق کو بھیج ۔ پس خدا نے علیؑ کو پہنچایا[1] ۔ پس تمہاری کونسی روایت قبول کی جائے ۔

ایک عالم :۔ حضرت علیؑ نے فرمایا :۔ من فضّلنی علی ابی بکر و عمر جلدته حدّ المفتری ۔ کہ جو شخص مجھے ابوبکر و عمر پر فضیلت دے گا میں اُس پر افتراء کی حد لگاؤں گا ۔

مامون :۔ یہ بھی جھوٹ ہے کیونکہ حضرت علیؑ اُس آدمی پر معاذ اللہ حد کیسے جاری کر سکتے تھے جس پر خدا نے حد جاری نہیں کی اگر حضرت علیؑ نے ایسا کیا تو اُنھوں نے (معاذ اللہ)

---

[1] ترمذی شریف ص۲۱۳ جلد دوم ۔ مشکوٰۃ شریف ص۵۶۴ طبع کراچی ۔

حدودِ الٰہی سے تجاوز کیا اور حکمِ خدا کے خلاف کیا۔ پس اس میں اُن کی کیا فضیلت ہوئی ۔

ایک عالم:۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ لو کنت متخذاً خلیلاً لا تخذت ابا بکر خلیلا۔ کہ اگر میں کوئی اپنا مخلص دوست بناتا تو ابوبکر کو بناتا ۔

مامون:۔ یہ روایت جھوٹی ہے اس لیے کہ تم خود روایت کرتے ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب مواخات اور بھائی چارہ قائم کیا تو حضرت علیؑ کو کسی کا بھائی نہ بنایا۔

حضرت علیؑ نے یہ دیکھ کر استفسار کیا؟ مجھے کیوں کسی کا بھائی نہ بنایا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وما اخوتك الا لنفسی۔ کہ میں نے بجائے کسی کے تجھے اپنا بھائی قرار دیا۔[1]

اب ان دو روایات میں ایک کو اگر صحیح قرار دو تو دوسری لازماً باطل ہوتی ہے۔

ایک عالم:۔ ایک دن حضرت علیؑ نے برسرِ منبر فرمایا:۔ خیر هذه الامة بعد نبیها ابو بکر۔ کہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

---

[1] ترمذی شریف ص۲۱۳ جلد دوم ۔ طبع کراچی

کے بعد اس اُمّت کے بہترین فرد حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ ہیں۔

مامون:۔ یہ بھی دُرست نہیں کیونکہ اگر یہ افضل ہوتے تو پیغمبر صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کبھی بھی اُن پہ کسی کو حکمران نہ بناتے چنانچہ ایک دفعہ عمرؓ عاص اور دوسری دفعہ اسامہ بن زید کو اُن پہ حاکم بنایا۔

روایت ہٰذا کی تکذیب حضرت علیؑ کے اس فرمان سے بھی ہو جاتی ہے ۔ لما قبض النبیؐ و انا اولیٰ بمجلسہ منّی بقمیصی و لکنّی اشفقت ان یرجع النّاس کفارًا ۔ انّی یکونان خیرًا منّی و قد عبدت اللہ تعالیٰ قبلھما و عبدتہ بعدھما ۔ کہ جب پیغمبر صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے رحلت فرمائی تو میں اُن کی جانشینی کے لئے یوں اولیٰ تھا جیسے میری قمیص کے لئے میرا بدن لیکن مجھے خوف تھا کہ کہیں لوگ پھر کافر نہ ہو جائیں۔

نیز اس سے بھی کہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ مجھ سے کیسے بہتر ہو سکتے ہیں جبکہ میں نے اُن سے پہلے خدائے واحد کی عبادت کی اور بعد میں بھی۔

ایک عالم حضرت ابوبکرؓ نے خود اپنے آپ پر دروازہ بند کیا اور کہا کہ کوئی طالب ہے جس کے گلے میں یہ قلادۂ خلافت

ڈالوں۔ تو حضرت علیؑ نے فرمایا کہ جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے تجھے مقدم کر لیا ہے تو اب کون ہے جو تجھے مؤخر کرے۔ اور تم خود اپنے امام یعنی حضرت ابوبکر سے روایت کرتے کہ انہوں نے کہا کہ ولیتکم ولست بخیرکم کہ میں تم پر حکمران ہوا لیکن تم سے بہتر نہیں۔ اب تم کون سی روایت قبول کرو گے جب کہ ان دونوں (روایتوں) میں تناقض واضح ہے۔

ایک عالم:۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا کہ ابوبکر و عمر سیدا کہول اھل الجنّۃ۔ حضرت ابوبکر و عمر جنّت کے بوڑھوں کے سردار ہیں۔

مامون:۔ یہ محال ہے اس لئے کہ بہشت میں بوڑھے نہیں ہوتے اور روایت ہے کہ اشجعیہ نامی ایک عورت آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اس وقت آپ نے فرمایا لا یدخل الجنّۃ عجوز۔ کہ بوڑھی عورتیں جنّت میں داخل نہیں ہوں گی۔ یہ سن کر وہ عورت رو پڑی۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

انّا انشانھنّ انشاءً فجعلنھنّ ابکارا ہ عربا اترابا۔[1]

---

[1] سورۂ واقعہ آیت $\frac{36}{37}$

ترجمہ:۔ ہم نے (وہاں کی) عورتوں کو خاص طور پہ بنایا ہے
یعنی ہم نے ان کو ایسا بنایا کہ وہ کنواریاں ہیں محبوبہ ہیں ہم عمر ہیں۔
اور تم یہ بھی روایت کرتے ہو کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ و آلہ
وسلّم نے حسنین علیہم السّلام سے فرمایا:" انّهما سید شباب
اهل الجنّة من الاوّلین والاخرین وابوهما خیر منهما"
کہ حسینؑ و حسنؑ اوّل آخر جنّت کے جوانوں کے سردار ہیں اُن
کا باپ اُن سے بھی بہتر ہے۔

ایک عالم پیغمبرِ خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا:" لو لم اکن
ابعث فیکم لبعث عمر"۔ کہ اگر میں پیغمبر نہ ہوتا تو
حضرت عمر ہوتے۔

مامون یہ بھی محال ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے
انّآ اوحینا الیك کمآ اوحینا الی نوح والنّبیّین
من بعدہٖ[۱]۔
ترجمہ:۔ (اے رسولؐ) ہم نے تمہارے پاس (بھی) تو اسی طرح
وحی بھیجی ہے جس طرح نوحؑ اور اُن کے بعد والے پیغمبروں پہ
بھیجی تھی۔

---

[۱] صواعق محرقہ صفحہ ۱۹۱ مطبوعہ مصر [۲] سورۂ نساء ۶۔ آیت ۱۶۳

واذ اخذنا من النبیین میثاقھم ومنك ومن نوح وابراھیم وموسیٰ وعیسیٰ بن مریمؑ۔[1]

ترجمہ:۔ (اور اے رسولؐ) وہ وقت یاد کرو جب ہم نے (اور) پیغمبروں سے اور خاص تم سے نوحؑ اور ابراہیمؑ و موسیٰؑ اور مریمؑ کے بیٹے عیسیٰؑ سے عہد و پیمان لیا۔

پس آیا جائز ہے کہ جس سے میثاق لیا ہو تو وہ پیغمبر نہ بنے اور جس سے میثاق نہ لیا ہو وہ پیغمبر بن جائے۔

ایک عالم:۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرفہ کے روز حضرت عمرؓ کو دیکھا تو متبسم ہوئے اور فرمایا کہ ان اللہ باھی بعبادہ عامۃ وبعمر خاصۃ۔ کہ خداوند تعالیٰ نے لوگوں پر عموماً اور حضرت عمرؓ کی عبادت پر خصوصاً مباہات فرمایا۔

مامون:۔ یہ بات محال ہے کہ خدا عمرؓ پر تو مباہات کرے اور اپنے نبیؐ کو چھوڑ دے عمرؓ کو خواص میں شمار اور نبیؐ کو عوام میں۔

یہ روایت تمہاری اس روایت سے زیادہ عجیب نہیں۔ چنانچہ تم روایت کرتے ہو کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

[1] سورۂ احزاب۔ آیت ۷

جب میں جنت میں گیا تو وہاں نعلین کی چاپ سنی فاذا بلال مولی ابی بکر سبقنی الی الجنۃ۔ کیا دیکھتا ہوں کہ بلال ابوبکر کے غلام مجھ سے جنت میں پہلے پہنچے ہوئے ہیں۔

شیعہ تو صرف یہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ حضرت ابوبکر سے افضل ہیں۔ لیکن تم نے حضرت ابوبکر کے غلام کو رسولؐ سے بڑھا دیا۔

اور تم یہ بھی روایت کرتے ہو کہ انّ الشیطان یفرّ من ظل عمر۔ کہ شیطان عمرؓ کے سائے سے فرار کرتا ہے۔

والقی علیٰ لسان نبی اللہ (ص) وانھنّ الغرانیق العلیٰ[1]۔ لیکن رسولؐ کے بارے کہتے ہو کہ شیطان نے اُن کی زبان پر فانھنّ غرانیق العلیٰ کو جاری کر دیا۔

ایک عالم:۔ حضورؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لو نزل العذاب ما نجا الّا عمر ابن الخطاب۔ کہ اگر عذاب نازل ہوتا تو حضرت عمرؓ کے سوا کوئی نجات نہ پاتا۔

مامون:۔ یہ بات صریحاً کتابِ خدا کے خلاف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیبؐ سے فرماتا ہے۔ وما کان

---

[1] تفسیر ابن جریر ج ۱۷ ص ۱۱۹ مطبوعہ مصر۔

اللہ لیعذ بھم و انت فیھم[1]۔

ترجمہ:۔ حالانکہ جب تک تم ان کے درمیان موجود ہو خدا اُن پر عذاب نہیں کرے گا۔ تم نے حضرت عمر کو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے برابر کر دیا۔

ایک عالم:۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے عشرہ مبشرہ کو جنت کی بشارت دی جن میں حضرت عمر بھی (شامل) تھے۔

مامون:۔ اگر یہ روایت درست ہوتی تو حضرت عمر حذیفہ سے ہرگز یہ نہ کہتے:۔ نشدتک باللہ امن المنافقین انا[2] کہ تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں آیا میں منافقوں میں سے تھا۔ پس تمہارے اس روایت کے مطابق حضرت عمر نے حذیفہ سے (اپنے بارے) سوال کر کے (عشرہ مبشرہ والی) حدیث رسول کی تصدیق نہیں کی بلکہ حذیفہ سے سوال کر کے اس کی تصدیق کی اور یہ بات رد یہ اسلام کے خلاف ہے۔ اگر وہ قول پیغمبر کی تصدیق کرتا اور اُسے سمجھتا تو پھر اُس نے حذیفہ سے کیوں سوال کیا۔ یہ دونوں خبریں آپس میں متناقض ہیں۔

---

[1] سورہ انفال آیت ۳۳

[2] میزان الاعتدال ج ۱ ص ۳۶۵ مطبوعہ مصر میں ہے یا حذیفتہ باللہ انا من المنافقین۔

ایک عالم:- پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا[1] وضعت فی کفۃ المیزان و وضعت امتی فی کفۃ اخریٰ فرجحت بھم ثم وضع مکانی ابوبکر فرجح بھم ثم عمر فرجح بھم ثم رفع المیزان۔

کہ مجھے ترازو کے ایک پلڑے میں رکھا گیا اور اُمت کو دوسرے میں - پس میرا پلڑا جھک گیا۔ میرے بعد ابوبکر کو میری جگہ بٹھایا گیا وہ بھی اُمت بھر سے وزنی نکلا۔ اس کے بعد عمرؓ کو اس پلڑے میں رکھا گیا وہ بھی بھاری نکلا۔

مامون:- یہ محال ہے آیا ان کے جسم پلڑے میں رکھے گئے یا عمل۔ اگر کہو کہ جسم رکھے گئے تو یہ محال ہے کہ ایک شخص کا جسم تمام اُمت سے بھاری ہو۔

اگر اُن کے عمل رکھے گئے تو پھر اُس وقت وہ اُمت تو

---

[1] حضرت عمر بن الخطاب روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ لو ان السمٰوٰت السبع والارضین وضعت فی کفۃ ووضع ایمان علی فی کفۃ لرجح ایمان علی۔ ریاض النضرۃ ج ۲ صفحہ ۳ مطبوعہ مصر

کہ ہفت آسمان وزمین والوں کا ایمان ایک پلڑے میں رکھا جائے اور تنہا علیؑ کا ایمان دوسرے پلڑے میں رکھا جائے تو علیؑ کی طرف والا پلڑا وزنی اور بھاری ہوگا۔

موجود نہ تھی جو بعد میں آئی۔ لہٰذا وہ اُن سے بھاری کیسے ہوئے۔
وضاحت کریں کہ وہ کس چیز میں اور کس وجہ سے افضل تھے؟

ایک عالم:- اعمالِ صالح کی وجہ سے۔

مامون:- اچھا یہ بتاؤ کہ ایک شخص زمانۂ رسولؐ میں سب سے افضل رہا ہو لیکن بعد میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسرے لوگ اس سے زیادہ افضل اعمال بجالائیں تو کیا وہ لوگ فضل و شرف میں اس سے بڑھ جائیں گے؟
اگر کہو کہ "ہاں"۔
تو اس زمانے میں ہم ایسے لوگ دیکھتے ہیں جو اُن سے زیادہ صوم و صلوٰۃ، حج و زکوٰۃ اور جہاد وغیرہ کرتے ہیں تو کیا یہ سب لوگ بھی اُن سے افضل ہو جائیں گے۔

ایک عالم:- تُو نے صحیح کہا۔ ہمارے زمانے کا افضل زمانۂ رسولؐ کے افضل شخص کے برابر نہیں ہو سکتا۔

مامون:- اچھا دیکھو کہ تمہارے امام یعنی تابعین اور صحابہ کرام (جن سے تم نے دین لیا جنہیں تم اپنا پیشوا و مقتدا سمجھتے ہو) نے علیؑ کے فضائل میں کیسی اور کتنی

روایات نقل کی ہیں۔

اور پھر ان حدیثوں کا مقابلہ کرو عشرہ مبشرہ (جنہیں بقول تمہارے جنّت کی بشارت ہوئی) کے بارے میں مروی فضائل کے حدیثوں سے اگر وہ بڑھ جائیں تو تم اپنے بزرگوں کو علیؑ پر فضیلت دینے میں سچے اگر ایسا نہیں بلکہ تمہارے راویوں نے علیؑ کے فضائل ان سب سے زیادہ بیان کئے ہوں[1] تو پھر مانو کہ علیؑ سب سے افضل تھے۔ تمام علماء سرنگوں اور خاموش ہو کر بیٹھ گئے۔

---

[1] محدث ابن حجر ہیثمی مکی تحریر فرماتے ہیں:-

فضائلہ وھی کثیرۃ عظیمۃ شہیرۃ حتّٰی قال احمد ماجاء لاحد من الفضائل ماجاء لعلی۔ (صواعق محرقہ ص۱۲۰ مطبوعہ مصر)

کہ حضرت علیؑ کے فضائل بڑے مشہور اور اتنے زیادہ ہیں کہ امام احمد نے کہا کہ حضرت علیؑ کے برابر کسی کے فضائل نہیں۔

عن عمر ابن الخطاب کہ لو ان البحر مداد و الریاض و الانس کتاب والجن حساب ما احصوا فضائل علی ابن ابی طالب۔ (ینابیع المودۃ ص۲۴۹ ج۱ ط تہران)

نیز حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے فرمایا کہ اے علیؑ اگر تمام دنیا کے سمندر سیاہی، درخت قلم، انسان لکھنے والے اور جن حساب کرنے والے بن جائیں، اے علیؑ! تیرے فضائل کا احصا تب بھی نہیں ہو سکتا۔

مامون:۔ بعثت رسالتمآبؐ کے وقت افضل عمل کونسا تھا؟

ایک عالم:۔ اسلام قبول کرنے میں سبقت کرنا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

السابقون السابقون اولئک المقربون۔

مامون:۔ کیا علیؑ سے بھی پہلے کوئی مسلمان ہوا تھا؟

ایک عالم:۔ حضرت علیؑ تو کمسنی میں مسلمان ہوئے تھے جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو کوئی شرعی تکلیف ویسے ہی نہیں دے سکتے تھے لیکن حضرت ابوبکر بڑی عمر میں مسلمان ہوئے تھے جبکہ ان پر شرعی تکلیف عائد ہوچکی تھی۔

مامون:۔ یہ بتاؤ کہ حضرت علیؑ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت پر مسلمان ہوئے تھے یا ان کو الہام الٰہی ہوا تھا۔

اگر کہو کہ الہام ہوا تھا تو پھر تم نے حضرت علیؑ کو رسالتمآبؐ پہ فضیلت دی کیونکہ رسولؐ پر الہام نہیں بلکہ جبرئیلؑ نازل ہوا تھا۔

اگر یہ کہو کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُنہیں دعوت دی تو کیا یہ دعوت پاس سے دی تھی یا بامرِ خدا دی تھی۔

اگر کہو کہ اپنی طرف سے دی تھی تو قرآن کی ان آیات کے خلاف ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ کا اُن کی زبانی یہ وصف بیان

کیا ہے - وما انا من المتکلفین[1] -

اور میں اپنے پاس سے بات بنانیوالا نہیں ہوں -

وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الاّ وحی یوحیٰ[2]

وہ اپنے پاس سے کچھ نہیں کہتے بلکہ وہی کہتے ہیں جو وحی کہتی ہے -

اگر یہ کہو کہ خدا کی طرف سے رسولِ اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے دعوت دی تھی - تو معلوم ہوا کہ حضرت علیؑ خدا کی طرف سے دعوتِ اسلام قبول کرنے کے مکلّف تھے -

اگر یہ بات مانو تو کیا ایک حکیم و دانا آدمی کے لئے یہ جائز ہے کہ بچوں میں سے ایک چھوٹے بچّے کو ایسے امر کی تکلیف دے جسے وہ نہ بجا لاسکتا ہو -

اگر کہو گے جائز ہے تو کافر ہوجاؤ گے - اگر کہو گے ناجائز ہے تو پھر رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسی بات کا حکم کیوں دیا جو ایک بچے کی طاقت سے باہر تھا -

---

[1] سورۂ ص آیت ۸۶

[2] سورۂ نجم آیت نمبر ۳، ۴

دوسری بات یہ کہ پیغمبر صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے علیؑ کے سوا اپنے خاندان اور اعزّا و اقرباء میں سے کسی اور بچے کو بھی اسلام کی دعوت دی۔

اگر کہو نہیں دی تو اس سے باقی بچوں پر علیؑ کی فضیلت و خصوصیّت ثابت ہوئی۔

مامون:۔ سبقت الی الاسلام کے بعد کونسا عمل افضل ہے۔

ایک عالم:۔ خدا کی راہ میں جہاد کرنا۔

مامون:۔ کیا تم نے کوئی ایسی حدیث دیکھی ہے جس میں عشرہ مبشرہ میں سے کسی ایک نے غزوات پیغمبرؐ میں حضرت علیؑ کے مانند جہاد کیا ہو۔

حالانکہ بدر ہی کو لے لیجئے جس میں ساٹھ سے اوپر آدمی مارے گئے۔ جن میں سے بیس تنہا علیؑ نے قتل کئے اور باقی چالیس سب لشکرِ اسلام نے۔

ایک عالم:۔ اس وقت حضرت ابوبکر حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے پاس خیمے میں بیٹھ کر تدبیریں سوچتے تھے۔

مامون:۔ یہ آپ نے عجیب بات سُنائی۔

کیا وہ رسُولِ خدا (صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے علیحدہ سوچتے

تھے یا انہوں نے ان کو اپنا شریک بنا لیا تھا۔ یا اُن کی رائے کے وہ محتاج تھے۔ ان تین صورتوں میں کس کو تجویز کرتے ہو۔

ایک عالم:۔ معاذ اللہ، نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے علیحدہ سوچتے تھے نہ اُن کے شریک ہوکر اور نہ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کی رائے کے محتاج تھے۔

مامون:۔ تو پھر اُن کے خیمے میں بیٹھے رہنے سے کیا فضیلت ہوئی۔

اگر خیمے میں بیٹھنا ہی فضیلت تھا تو پھر چاہیئے تھا کہ جنگ سے ہر ایک تخلف کرنیوالا افضل اور مجاہد ہوتا۔

حالانکہ اللہ تعالے فرماتا ہے:۔

لا یستوی القٰعدون من المؤمنون غیر اولی الضّرر والمجٰھدون فی سبیل اللہ باموالھم و انفسھم فضّل اللہ المجٰھدین باموالھم و انفسھم علی القٰعدین درجۃ ط وکلًّا وعد اللہ الحسنیٰ ط وفضّل اللہ المجٰھدین علی القٰعدین اجرًا عظیمًا۔[۱]

ترجمہ:۔ معذور لوگوں کے سوا (جہاد سے منہ چھپا کے) گھر

---

[۱] سورۂ نساء۔ آیت ۹۵

بیٹھنے والے اور خدا کی راہ میں اپنے جان و مال سے جہاد کرنے والے ہرگز برابر نہیں ہو سکتے (بلکہ) اپنے جان و مال سے جہاد کرنے والوں کو گھر بیٹھے رہنے والوں پر خدا نے درجہ کے اعتبار سے بڑی فضیلت دی ہے (اگرچہ) خدا نے سب ایمان داروں سے (خواہ جہاد کریں یا نہ کریں) بھلائی کا وعدہ کر لیا ہے مگر غازیوں کو خانہ نشینوں پر عظیم ثواب کے اعتبار سے خدا نے بڑی فضیلت دی ہے۔

اسحٰق بن حماد بن زید کا کہنا ہے کہ پھر مامُون نے مجھے کہا کہ سُورۂ دھر کی تلاوت کریں۔ چنانچہ میں نے سورۂ دہر کی تلاوت شروع کر دی۔ جب ویطعمون الطّعام علیٰ حبّہٖ مسکیناً و یتیماً و اسیرا تک پہنچا تو مامون نے کہا ذرا ٹھہریئے۔ یہ تو بتائیے کہ یہ کس کی شان میں نازل ہوئی۔

اسحٰق:۔ حضرت علیؑ ابن ابی طالب کی شان میں۔[1]

مامون:۔ کیا تجھے اس بات کا علم ہے کہ علیؑ نے مسکین و یتیم اور اسیر کو کھانا کھلایا تھا تو کہا تھا۔

---

[1] تفسیر کشاف صفحہ ۲۲۹ جلد سوم، تفسیر در منثور ص۔ اسباب النزول للواحدی ص۳۳۱، اسد الغابۃ ص۵۳۰ جلد پنجم، نور الابصار ص۱۰۲

انّما نطعمکم لوجه اللہ لا نرید منکم جزاءً و لا شکوراً ۔ کہ ہم تو تم کو صرف اللہ کے لئے کھلاتے ہیں۔ ہم نہ تم سے بدلے کے خوستگار ہیں اور نہ شکر گزاری کے ۔

چونکہ خدا علیؑ کی نیّت اور باطن کو جانتا تھا اس لئے اس کی خبر دیتے ہوئے فرمایا۔ انّما نطعمکم لوجہ اللہ الخ اچھا اب یہ فرمائیے ، کیا آپ گواہی دیتے ہیں کہ عشرہ مبشرہ جنتی ہیں ۔

اسحٰق :۔ ہاں گواہی دیتا ہوں ۔

مامون :۔ اگر کوئی کہہ دے کہ نہ جانے یہ حدیث صحیح بھی ہے یا نہیں ، رسُولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اسے فرمایا بھی ہے یا نہیں تو کیا وہ یہ کہنے سے کافر ہو جائے گا۔

اسحٰق :۔ ہرگز نہیں ۔

مامون :۔ اگر وہی شخص یہ کہہ دے کہ مجھے معلوم نہیں سورۂ دہر خدا کا کلام ہے یا نہیں تو کیا یہ کہنے سے وہ کافر ہو جائیگا۔

اسحٰق :۔ ہاں ضرور کافر ہو جائے گا۔

مامون :۔ تو اب دونوں قول دیکھیں اور ساتھ ہی حضرت علیؑ کی فضیلت ملاحظہ کریں ۔

اچھا یہ بتائیں کہ حدیث طیر تیرے نزدیک صحیح ہے۔

اسحٰق:۔ بالکل صحیح ہے۔

مامون:۔ بخدا تیری دشمنی ظاہر ہوگئی۔ کیونکہ جس شخص کو یہ یقین ہے کہ حدیث طیر صحیح ہے۔

پھر بھی وہ خیال کرے کہ اُمّتِ رسولؐ میں علیؑ سے بھی افضل کوئی شخص تھا تو اس کو تین باتوں میں سے ایک بات کا ضرور قائل ہونا پڑے گا۔

(۱) دُعائے رسولؐ کو خدا نے قبول نہیں کیا۔

(۲) افضل کے ہوتے ہوئے خدا مفضول کو زیادہ دوست رکھتا تھا۔

(۳) خدا کو معاذ اللہ افضل اور مفضول میں تمیز نہ تھی (کیونکہ اس نے علیؑ کو بھیجا)۔

اسحٰق:۔ (یہ سُن کر مبہوت ہوگیا) سرکار میں اس کے جواب سے عاجز ہوں لیکن حضرت ابوبکر کی بھی تو آخر کوئی فضیلت تھی۔

مامون:۔ وہ کونسی۔

اسحٰق:۔ آیۂ غار۔ ثانی اثنین اذھما فی الغار اذ یقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا۔

ترجمہ:۔ (جب وہ دونوں غار (ثور) میں تھے جب اپنے ساتھی کو

(اسی گریہ و زاری پر) سمجھا رہے تھے کہ گھبراؤ نہیں خدا یقیناً ہمارے ساتھ ہے) جس میں خدا نے حضرت ابو بکر کو رسولؐ کا ساتھی کہا۔

مامون :۔ بیشک خدا نے اسے آنحضرت صلعم کا ساتھی کہا ہے لیکن اس میں کیا فضیلت ہے۔ ایک اور مقام پر خدا نے ایک کافر کو بھی تو مومن کا مصاحب کہا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :۔

قال لہ صاحبہ وھو یحاورہ اکفرت بالّذی خلقک[1] من تراب ثمّ من نطفۃ ثمّ سوّاک رجلاً۔

ترجمہ :۔ اس کا ساتھی جو اس سے باتیں کر رہا تھا کہنے لگا کہ تو اس پروردگار کا منکر ہے جس نے تجھے پہلے مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے پھر تجھے ایک مکمّل آدمی بنا دیا؟

اس آیت میں خدا نے کافر کو ساتھی قرار دیا ہے۔

اس کے بعد مامون نے دو شعر پڑھے جس سے یہ ثابت کیا گیا کہ گھوڑا بھی صاحب ہو سکتا ہے چہ جائیکہ انسان صاحب بنے۔

رہا موجب انّ اللہ معنا کے خدا کا ساتھ ہونا سو خدا ہر اچھے

---

[1] مفسرین مثلاً امام فخر الدین رازی نے لکھا ہے کہ یہ بات چیت ایک مومن جس کا نام یہودا، اور دوسرے کافر جس کا نام براطوس تھا کے مابین ہو رہی تھی۔

بُرے کے ساتھ ہوتا ہے۔

چنانچہ ارشادِ ربّ العزّت ہے:۔ ما یکون من نجوی ثلاثۃ إلا ھو رابعھم ولا خمسۃ إلا ھو سادسھم ولا ادنی من ذالك و اکثر إلا معھم أینما کانوا۔

ترجمہ:۔ جب تین (آدمیوں) کا خفیہ مشورہ ہوتا ہے تو وہ (خدا) ان کا ضرور چوتھا ہے اور جب پانچ کا (مشورہ) ہوتا ہے تو وہ اُن کا چھٹا ہے اور اُس سے کم ہوں یا زیادہ اور چاہے جہاں کہیں ہو وہ اُن کے ساتھ ضرور ہوتا ہے۔

باقی لا تحزن کے بارے بتلائیں کہ حضرت ابوبکر کا حُزن برائے طاعت اور رضائے خداوندی تھا یا معصیّت اور ناراضگیٔ خُدا۔

اگر کہو کہ برائے طاعت تھا تو پھر حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُسے طاعتِ خدا سے روکا کیوں جو اُن کی شان کے خلاف ہے۔ اگر برائے معصیّت تھا تو پھر معصیّت میں فضیلت کیسی۔ اور یہ بتاؤ کہ سکینہ کس پر نازل ہوُا۔

اسحٰق:۔ حضرت ابوبکر پر، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو سکینہ کی ضرورت نہ تھی۔

مامون :- تو پھر تیرا اس آیت کے بارے میں کیا خیال ہے :-

ویوم حنین اذا عجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیأا وضاقت علیکم الارض بما رحبت ثمّ ولیتم مدبرین ثمّ انزل اللّٰہ سکینتہٗ علیٰ رسولہ وعلی المؤمنین - (پ۱۰، سورۂ توبہ۔ آیت ۲۵)

ترجمہ :- اور (خاص کر) جنگِ حنین کے دن جب تمہیں اپنی کثرتِ تعداد نے مغرور کر دیا تھا۔ پھر وہ کثرت تمہارے کچھ بھی کام نہ آئی اور (تم ایسے گھبرائے کہ) زمین با وجود اس وسعت کے تم پر تنگ ہو گئی۔ تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے تب خدا نے اپنے رسول پر اور مومنین پر اپنی (طرف سے) تسکین نازل فرمائی۔

آیا تم جانتے ہو کہ اس آیت میں ذکر مومن کون تھے ؟

اسحٰق :- مجھے معلوم نہیں۔

مامون :- اس دن سارے مسلمان فرار ہو گئے۔ حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بنی ہاشم کے سات افراد کے سوا کوئی بھی قائم نہ رہا۔

حضرت علیؑ شمشیر بدست آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم

کی حفاظت میں مصروف تھے۔ عباس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خچر کی لگام تھام رکھی تھی جبکہ باقی پانچ اشخاص ہالہ بنائے آپ کے اردگرد کھڑے تھے تاکہ کفار کی طرف سے کوئی آسیب اور گزند نہ پہنچے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ظفریاب کیا پس اس آیت میں ذکر مومنین سے مراد حضرت علیؑ اور بنی ہاشم تھے جو اس وقت آپ کی خدمتِ اقدس میں اپنی جانیں نذرانہ کئے حاضر تھے۔

تو اب بتلاؤ کون سے افضل ہیں۔ وہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تھے یا وہ جو راہِ فرار اختیار کر گئے۔

اسحٰق :۔ افضل وہی ہے جس پر خدا نے اپنی تسلی نازل کی۔

مامون :۔ بتائیے کہ وہ شخص افضل ہے جو غار میں ہمراہِ رسولؐ تھا یا وہ جس نے بسترِ رسولؐ پر سو کر خود کو ہلاکت میں ڈال کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بچایا۔

اللہ تعالیٰ نے رسولِ خداؐ کو حکم دیا کہ علیؑ کو اپنے بستر پر سلا کر خود چلے جاؤ۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ سے کہا کہ تو میری جگہ سو جا۔ حضرت علیؑ نے عرض کی کہ کیا میرے سونے سے آپکی جان بچ جائیگی۔ فرمایا کہ ہاں بچ جائیگی۔

تو حضرت علیؑ نے فرمایا سمعاً و طاعۃً اس وقت حضرت علیؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کی چادر اوڑھ کر سو گئے۔

تھوڑی دیر بعد مشرکین نے آکر آپ کو اس خیال سے گھیر لیا کہ آپ رسولِ خدا ہیں۔ چنانچہ سب نے متفق ہو کر فیصلہ کر لیا کہ قریش کے ہر قبیلہ سے ایک ایک فرد شامل ہو اور یکبارگی حملہ میں ایک ایک وار آنحضرتؐ پر کرے تاکہ بنی ہاشم کسی خاص شخص سے آنحضرتؐ کا خون بہا نہ مانگ سکیں۔

حضرت علیؑ ان کے یہ تمام مشورے سُن رہے تھے کہ وہ سب اس کی جان لینے پر آمادہ ہیں۔ لیکن بایں ہمہ آپ تھے کہ آرام سے بسترِ رسولؐ پر سو رہے تھے۔

(آپ نے حضرت ابوبکر کی طرح جزع فزع نہیں فرمائی حالانکہ غار میں رسولؐ اس کے ساتھ تھے) تا اینکہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین سے حفاظت کے لئے ان (حضرت علیؑ) کے پاس فرشتے بھیجے۔ جب صبح ہوئی تو مشرکین نے دیکھا کہ یہاں تو محمدؐ کی بجائے علیؑ تھے۔

تو پوچھا کہ محمدؐ کہاں ہیں؟

تو آپ نے فرمایا نہ جانے کہاں ہیں۔

تو انہوں نے کہا کہ آپ نے ہمیں دھوکے میں رکھا۔ اس کے بعد حضرت علیؑ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے جا کر ملے۔ پس اسی طرح تا دمِ زیست حضرت علیؑ ہر موقعہ پر ہمیشہ افضل ثابت ہوتے رہے اور اُن سے خیر و خوبی ظاہر ہوتی رہی حتیٰ کہ دنیا سے پسندیدہ و آمر زیدہ ہو کر گئے۔

مامون:۔ تم حدیثِ ولایت (حدیثِ غدیر) کو بھی روایت کرتے ہو۔

اسحٰق:۔ جی ہاں

مامون:۔ ذرا اُسے بیان فرمائیے۔

اسحٰق:۔ **من کنت[1] مولاہ فعلی مولاہ** الخ جس کا میں مولا ہوں اس کا علیؑ مولا ہے

مامون:۔ ذرا دیکھو اس حدیث نے علیؑ کے بارے میں ابوبکر و عمر پر اس چیز کو واجب کیا جو اُن کے بارے میں علیؑ پر واجب نہ تھی یعنی اُن پر خدا نے واجب کیا کہ وہ علیؑ کو اپنا مولا[2] سمجھیں۔

---

[1] مشکوٰۃ شریف ص۵۶۵ مطبوعہ دہلی

[2] حضرت عمرؓ نے فرمایا: ھذا مولای و مولیٰ کلّ مومن و من لم یکن مولاہ فلیس بموٴمن ۔ کہ یہ میرے اور ہر مومن کے مولا ہیں۔ جس کے یہ مولا نہیں وہ مومن ہی نہیں۔ (ریاض النظرہ ص۲۴۶ جلد سوم۔ مطبوعہ مصر۔

اسحٰق :۔ لوگ کہتے ہیں کہ اس حدیث کا باعث زید بن حارثہ ہے کیونکہ اُس کے اور حضرت علیؑ کے مابین کچھ اختلاف ہو گیا تھا جس کے سبب وہ حضرت علیؑ کی خلافت کا مُنکر ہو گیا تھا۔ پس رسُولِ خدا نے فرمایا من کنت مولاہ فعلی مولاہ۔

مامون :۔ اس حدیث کو حضُور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کس مقام پر فرمایا۔ کیا حجۃ الوداع کی واپسی پر غدیر خم میں بیان نہیں فرمایا تھا۔

اسحٰق :۔ جی ہاں اسی موقعہ پہ بیان فرمایا تھا۔

مامون :۔ زید بن حارثہ کب قتل ہوا۔

اسحٰق :۔ جنگِ موتہ[1] میں۔

مامون :۔ جنگِ موتہ (واقعہ) غدیر خم سے پہلے نہیں ہوئی۔

اسحٰق :۔ جی پہلے ہوئی ہے۔

مامون :۔ یہ تبلائیں اگر تیرا پندرہ سالہ بیٹا یہ کہے کہ جو میرا مولا ہے وہ میرے ابنِ عم کا بھی مولا ہے تو کیا تجھے بُرا معلوم نہیں ہو گا

اسحٰق :۔ ضرور بُرا معلوم ہو گا۔

مامون :۔ وائے ہو تم پر جس بات کو تم اپنے لڑکے تک کیلئے پسند نہیں

---

[1] جنگِ موتہ ۸ھ میں ہوئی اور زید بن حارثہ اسی میں شہید ہوئے جبکہ حدیث غدیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۱۰ھ میں بیان فرمائی۔

کرتے اُسے رسولِ خدا کیلئے کیسے پسند کرتے ہو۔

ولّے ہو تم پر، اپنے علماء کے بندے نہ بنو۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابًا من دون اللہ

یعنی اُن لوگوں نے اپنے عالموں زاہدوں کو خدا بنایا۔ حالانکہ ان یہود و نصاریٰ نے نہ تو علماء و زہاد کی نماز پڑھی نہ ہی اُن کا روزہ رکھا اور نہ ہی اُنہیں پروردگار خیال کیا بلکہ ان علماء نے جو کچھ کہا اُن لوگوں نے آنکھیں بند کر کے مان لیا۔ اسلئے اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا:۔

مامون:۔ تم حدیثِ منزلت کو بھی روایت کرتے ہو کہ حضورؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یاعلی انت منّی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ۔ اے علیؑ تجھے مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی۔

اسحٰق:۔ بالکل ایسا ہی ہے۔

مامون:۔ کیا ہارونؑ موسیٰؑ کے حقیقی بھائی تھے۔

اسحٰق:۔ جی ہاں

مامون:۔ کیا علیؑ بھی رسولؐ کے حقیقی بھائی تھے۔

ﻫ بخاری شریف صفحہ ۵۲۶ ج ۱، مسلم شریف صفحہ ۲۷۸ ج ۲، ترمذی شریف صفحہ ۲۱۴ ج ۲

اسحٰق :۔ نہیں۔

مامون :۔ کیا یہ صحیح ہے کہ ہارونؑ نبی تھے اور علیؑ غیر نبی؟

اسحٰق :۔ بیشک۔

مامون :۔ جب حضرت علیؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حقیقی بھائی تھے اور نہ ہی نبی۔ اور ہارونؑ میں دونوں صفتیں تھیں تو پھر آنحضرت صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اس فرمان (حدیث منزلت) کا کیا مقصد ہوگا۔

اسحٰق :۔ رسولِؐ خدا نے یہ کہہ کر حضرت علیؑ کو صرف خوش کرنا چاہا تھا کیونکہ منافقین نے کہا کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلم حضرت علیؑ کو مدینہ میں اس لئے چھوڑ گئے تھے کہ حضرت علیؑ اُن سے ناراض تھے

مامون :۔ کیا رسولؐ اللہ صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلم حضرت علیؑ کو محض ایک مُہمل سی بات پر خوش کر رہے تھے یا درحقیقت اس میں کوئی مرتبے کی بات تھی؟

(اسحٰق یہ سُن کر پریشان ہوگیا)

اور اسے اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں یُوں بیان فرمایا ہے

وقال موسیٰ لاخیہ ھارون اخلفنی فی قومی واصلح لی ولا تتّبع سبیل المفسدین۔ سورۂ اعراف آیت ۱۴۲

ترجمہ:۔ اور (چلتے وقت) موسیٰؑ نے اپنے بھائی ہارونؑ سے کہا کہ تم میری قوم میں میرے جانشین رہو اور ان کی اصلاح کرنا اور فساد کرنے والوں کے طریقہ پر نہ چلنا۔

اسحٰق:۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارونؑ کو اپنی قوم کا خلیفہ اُس وقت بنایا جب وہ حیات تھے اور بحکم خدا طُور پر گئے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت علیؑ کو اُس وقت خلیفہ بنایا جب آپ غزوۂ تبوک کو جا رہے تھے۔

مامون:۔ یہ بتاؤ کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السّلام کوہ طُور پر گئے اُس وقت اُن کے ہمراہ بنی اسرائیل میں سے کوئی صحابی تھا۔

اسحٰق:۔ نہیں۔

مامون:۔ کیا حضرت موسیٰؑ نے اُسے تمام قوم پر خلیفہ بنایا تھا۔

اسحٰق:۔ جی ہاں تمام قوم پر بنایا تھا۔

مامون:۔ اسی طرح رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بھی جنگِ تبوک کو جاتے وقت حضرت علیؑ کو اپنا خلیفہ بنایا تھا۔ اس حال میں کہ اکثر قوم حضور صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کے ہمراہ جنگ میں چلی گئی اور پیچھے بچے، بوڑھے اور عورتیں رہ گئیں اور رسُولؐ اللہ صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے حضرت علیؑ کو اپنے

حینِ حیات اور بعد ممات خلیفہ بنانیکی دلیل اُن کا یہ فرمان ہے کہ
علی منّی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ إلا انّہ لا نبی
بعدی۔
ترجمہ :۔ علیؑ مجھ سے ایسے ہی ہے جیسے ہارونؑ موسیٰؑ
کے لئے تھے سوا اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔
اور وہ اس لحاظ سے نبیؐ کے وزیر بھی تھے۔

چنانچہ موسیٰ علیہ السّلام نے اللہ کے حضور دعا مانگی جس
میں یہ بھی کہا کہ واجعل لّی وزیرًا من اھلی ھارون
اخی اشدد بہ ازری واشرکہ فی امری[1]
ترجمہ :۔ اور میرے کنبہ والوں میں سے میرے بھائی ہارونؑ
کو میرا وزیر (بوجھ بٹانیوالا) بنا دے۔ اس کے ذریعے میری
پُشت مضبوط کر دے اور میرے کام میں اس کو شریک بنا۔
پس جب علیؑ منزلت میں رسولؐ سے یوں تھے جیسے ہارونؑ
موسیٰؑ سے تھے۔

تو اس حدیث کے مطابق علیؑ رسولؐ کے ویسے ہی
وزیر ہوں گے جیسے ہارونؑ موسیٰ کے وزیر تھے اور ویسے ہی

---

[1] پ ۱۶ سورۂ طٰہٰ آیت نمبر ۲۹ تا ۳۲

رسولؐ کے خلیفہ ہوں گے جیسے ہارونؑ موسیٰؑ کے خلیفے تھے۔

اس کے بعد مامون نے علماء فلسفہ و کلام کی طرف رُخ کیا اور کہا کہ میں تم سے سوال کرتا ہوں یا تم مجھ سے سوال کرو۔

اُنہوں نے کہا ہم سوال کرتے ہیں۔ چنانچہ اُن میں سے ایک عالم نے اُٹھ کر کہا:۔

کیا بفرمانِ رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم حضرت علیؑ کی امامت ایسی فرض تھی جیسے چار رکعت نماز ظہر یا دو سو درہم میں پانچ درہم زکوٰۃ یا حجِ خانہ کعبہ فرض ہے۔

مامون:۔ بالکل ایسے ہی فرض ہے۔

ایک عالم:۔ تو پھر دوسرے فرائض میں لوگوں نے اختلاف کیوں نہیں کیا جبکہ خلافتِ علیؑ میں اُنہوں نے اختلاف کیا ہے۔

مامون:۔ دیگر فرائض میں وہ میل اور رغبت نہ تھی جیسا کہ خلافت میں تھی۔

ایک عالم:۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم از راہِ لطف و مہربانی اپنے جانشین کا تقرر اُمت پہ چھوڑتے اور خود نامزد نہ فرماتے۔

اور ایسا کرنے سے لوگ خلیفہ سے اختلاف اور اس کی

نافرمانی کی وجہ سے معذب بھی نہ ہوتے۔

مامون :- خدا اس معاملے میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ مہربان ہے۔

جنہوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس وصف کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ وہ جانتے تھے کہ بعض اُن کے فرمانبردار ہوں گے اور بعض نافرمان۔

دوم یہ کہ تمام اُمّت ایک آدمی کو اختیار کریگی یا بعض اگر تمام اُمّت اختیار کرنے لگے تو ممکن نہیں کہ تمام متفق بھی ہوں۔

اگر بعض اُمّت ہو تو پھر وہ بعض کونسی ہوگی۔ اگر کہو کہ فقہاء اُمّت ہیں تو پھر کوئی تحدید کرنی پڑے گی اور فقیہ کے لئے بھی کوئی نشانی یا علامت معیّن کرنی پڑے گی تب جاکر وہ اُسے بنائیں گے۔

ایک عالم :- حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جسے مسلمان خوب سمجھیں وہ عند اللہ بھی خوب ہے اور جسے وہ بُرا سمجھیں وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی بُرا ہے۔

مامون :- ضروری ہے کہ اس قول کا سب (مسلمان) ارادہ کریں یا بعض اگر تمام ارادہ کریں تو یہ مفقود ہے۔ کیونکہ سب کا اتفاق

ممکن نہیں اگر بعض ارادہ کریں تو اُن میں بھی کوئی کسی کو اچھا سمجھے گا تو کوئی کسی کو جیسے شیعہ علیؑ کو اچھا سمجھتے ہیں اور حشویہ ان کے غیر کو۔

پس تمہاری مطلوبہ امامت کہاں سے ثابت ہو گی۔

ایک عالم:۔ اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے گویا آپ کے گمان میں اصحاب محمدؐ نے خطا کی۔

مامون:۔ یہ ہم کیسے گمان کر سکتے ہیں کہ اُنھوں نے خطا کی اور گمراہی پہ جمع ہوئے اور وہ فرض و سُنّت کو بھی نہیں جانتے تھے حالانکہ تمہارا یہ گمان ہے کہ امامت خدا کی طرف سے فرض ہے اور نہ ہی سُنّت۔ تو جو چیز تمہارے نزدیک واجب ہے نہ سُنّت اس میں خطا کیسی۔

ایک عالم:۔ اگر آپ امامتِ علیؑ کیلئے دعویٰ کرتے ہیں تو دعویٰ کیلئے کوئی گواہ پیش کریں۔

مامون:۔ میں امامت کے لئے دعویٰ نہیں بلکہ اقرار کرتا ہوں اور اقرار کنندہ پہ گواہ لازم نہیں ہوتے۔

دوسری بات یہ کہ گواہی خود مخالفین کی طرف سے ہوتی ہے یا اُن کے غیر سے غیر معدوم ہے۔ رہے دشمن سو اُن سے گواہی کیسے قائم ہو

ایک عالم:۔ حضرت علیؑ پر رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کی رحلت کے بعد کیا چیز واجب تھی۔

مامون:۔ جو کچھ اُن پر واجب تھا انہوں نے کیا۔ ہمیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ امام کیلئے کسی تکلیف کو متعیّن کریں۔

ایک عالم:۔ کیا اُن پر یہ لازم تھا کہ لوگوں کو بتلانے کہ وہ اُن کے امام ہیں۔

مامون:۔ امامت میں یہ نہیں کہ کوئی خود کو امام ظاہر کر دے اور لوگ اُسے امام بنالیں۔ بلکہ امام بنانا خدا کا کام ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السّلام سے فرمایا[1]:-

انّی جاعلك للنّاس اماماً۔ یعنی میں تم کو لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں۔

اور حضرت داؤد علیہ السّلام سے فرمایا:-[2]

یاداؤد انّا جعلناك خلیفةً فی الارض۔

اے داؤد ہم نے تم کو زمین میں (اپنا) نائب مقرر کیا۔

---

[1] سورۂ ص آیت ۲۶

[2] سورۂ بقرہ آیت ۱۲۴

اور ملائکہ سے فرمایا انی جاعلٌ فی الارض خلیفۃ۔ میں اپنا ایک نائب زمین میں بنانیوالا ہوں۔

پس امام خدا کی طرف سے امام ہوتا ہے۔ ابتدا میں اس میں نسب وطہارت کا شرف پایا جاتا ہے اور بعد میں عصمت کا۔

اگر امامت خود بنے یا کسی کے بنائے بنے تو اس سے اگر کوئی غلطی سرزد ہو تو وہ معزول کر دیا جائیگا۔

لیکن وہ امام جسے خدا بنائے وہ بوجہ عصمت کوئی غلط کام کرتا ہی نہیں لہذا وہ معزول بھی نہیں ہوتا۔

ایک عالم:۔ آپ نے حضرت علیؑ کے لئے امامت کیوں لازم جانی؟

مامون:۔ وہ اس لئے کہ وہ بچپن میں رسولؐ کی طرح ایمان لانے والے اور قوم کی گمراہی سے برأت کرنیوالے تھے۔ اور انہی کی طرح شرک سے مجتنب تھے۔ کیونکہ شرک بڑا ظلم ہے۔ اور اس پہ اجماع ہے کہ ظالم اور صنم پرست کبھی امام نہیں بن سکتا بلکہ وہ بمنزلہ دشمن خدا ہے اور اس کا حکم دشمن خدا کا حکم ہے اور اس کے بارے وہی حکم ہوگا جس پہ اُمت کا اجماع ہے۔

لہ سورۂ بقرہ آیت ۳۰

اور جو آدمی ایک مرتبہ محکوم ہو جائے جائز نہیں کہ وہ حاکم ہو، اس لئے کہ پھر حاکم و محکوم میں فرق نہیں ہوگا۔

ایک عالم:۔ حضرت علیؑ نے جس طرح معاویہ سے جنگ کی اسی طرح حضرت ابوبکر، عمر اور عثمان سے جنگ کیوں نہ کی۔

مامون:۔ آپ کا یہ کہنا کہ انہوں نے جنگ کیوں نہ کی، نفی ہے اور نفی کے لئے کوئی علت نہیں ہوتی بلکہ اثبات کے لئے علت ہوتی ہے۔

پس چاہیئے کہ حضرت علیؑ کے امر کے بارے یہ دیکھا جائے کہ وہ منجانب خدا ہے یا غیر خدا ہے۔

اگر یہ ثابت ہو کہ وہ منجانب اللہ ہے تو اس میں چون و چرا کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی۔ بلکہ ان کی تدبیر میں شک کرنا کفر ہے۔

چنانچہ ارشادِ ربّ العزت ہے:۔

فلا و ربّك لا یؤمنون حتّی یحکّموك فیما شجر بینهم ثمّ لا یجدوا فی انفسهم حرجًا ممّا قضیت و یسلّموا تسلیمًا[1]

---

[1] پ۵ سورۂ نساء آیت ۶۵ (اس کا شانِ نزول اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

زبیر اور حاطب بن ابی بلعہ کے خرما کے باغ ایک نالہ سے سیراب ہوتے تھے
ایک مرتبہ اُن کا باغ سیراب کرنے کے لیئے آپس میں پانی کی باری پہ تنازعہ ہوا۔
وہ دونوں فیصلہ کے لیئے حضور صلّی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے۔
آپ نے فیصلہ فرمایا کہ اُسے زبیر تُو اپنے باغ کو پہلے سیراب کرلے اور بعد میں
اپنے ہمسایہ کے باغ کو پانی چھوڑ دے۔

یہ سُن کر انصاری (حاطب بن ابی بلعہ) بگڑ گیا اور لگا کہنے کہ یا رسُول اللّٰہ
آپ نے اپنے پسرِ عم کا لحاظ کیا۔

یہ سُن کر حضور صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم کا رنگ متغیّر ہوا اور فرمایا کہ اُسے زبیر
تُو اپنے باغ کو اچھی طرح سیراب کرلے اس کے بعد اپنے ہمسایہ کو پانی دیدے۔

دونوں بارگاہِ رسالتؐ سے اجازت لیکر چلے راستے میں مقداد مل گیا۔
مقداد نے پُوچھا کہ حضور پُر نور صلّی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا فیصلہ فرمایا۔

حاطب با دِلِ ناخواستہ بولا کہ اُنہوں نے اپنے عم زاد کی طرفداری میں فیصلہ
کیا۔ ان کی یہ باتیں وہاں ایک یہودی بھی سُن رہا تھا۔ جب اِس نے اُس آدمی کو
لال پیلا ہوتے دیکھا تو کہا کہ خدا اِن لوگوں کو ہلاک کرے مُنہ سے تو کہتے ہیں کہ یہ
پیغمبرِ خدا ہیں لیکن اُن کا حکم نہیں مانتے۔

خدا کی قسم ہم نے ایک دفعہ زمانۂ موسیٰؑ میں گناہ کیا تھا۔ موسیٰؑ نے ہمیں توبہ
کے لیئے بُلایا اور حکم دیا کہ ایک دوسرے کو ماریں۔ چنانچہ ہم نے ایک دوسرے کو
قتل کرنا شروع کیا؛ اینکہ طاعتِ پروردگار میں ۷۰ ہزار آدمی قتل ہوئے حتّیٰ کہ خدا
راضی ہوگیا۔ اس وقت قیس ابن ثابت بن شماس نے کہا بخدا اللّٰہ جانتا ہے میں سچ
کہہ رہا ہوں کہ اگر محمدؐ ہمیں خودکشی کا حکم دیں تو میں خود کو ہلاک کردوں گا۔ یہ آیت
حاطب بن ابی بلعہ کی شان میں نازل ہوئی۔ تفسیر مذکور میں اس آیت کے ذیل میں یہ لکھا ہے

کہ "حضرت صادق آلِ محمدؑ نے فرمایا کہ اگر ایک قوم خدا کی بندگی کرے، نمازیں پڑھے زکواۃ دے، رمضان کے روزے رکھے، حج بیت اللہ کرے۔ باینہمہ اگر وہ کردارِ رسولؐ کے بارے لب کشائی کرے اور کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا کیوں نہ کیا، اگر ایسا کرتے تو بہتر تھا یا اس قسم کا خیال دل میں لائے تو مشرک ہوگا پس حضرتؑ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ (تفسیر مجمع البیان ص ۶۹ ج ۳ مطبوعہ صیدا شام)۔

ہماری مطبوعات مندرجہ ذیل مقامات سے بھی دستیاب ہیں

۱۔ مکتبہ اصغریہ دار العلوم محمدیہ بلاک ۱۹ سرگودہا۔
۲۔ یونیک ٹریڈرز۔ امین پور بازار۔ فیصل آباد۔
۳۔ حق برادرز۔ انار کلی لاہور۔
۴۔ محفوظ بک ایجنسی۔ مارٹن روڈ۔ کراچی ۵
۵۔ افتخار بک ڈپو۔ کرشن نگر۔ لاہور
۶۔ احمد بک ڈپو۔ امام بارگاہ رضویہ کالونی۔ کراچی ۱۸
۷۔ اسد بک ایجنسی قدم گاہ مولا علیؑ۔ حیدر آباد
۸۔ بوتراب اکیڈمی۔ چکر کوٹ بالا تحصیل و ضلع کوہاٹ

ترجمہ:۔ پس (اے رسولؐ) تمہارے پروردگار کی قسم یہ لوگ سچّے مومن نہ ہوں گے تاوقتیکہ اپنے باہمی جھگڑوں میں تم کو اپنا حاکم (نہ بنائیں) پھر (یہی نہیں بلکہ) جو کچھ تم فیصلہ کرو اس سے کسی طرح دل تنگ بھی نہ ہوں بلکہ خوش خوش اس کو بھی مان لیں۔

فاعل کا فعل اصل کے تابع ہوتا ہے۔ اگر اس کا قیام منجانب اللہ ہے تو یہ فعل بھی اُن ہی کی طرف سے ہوگا۔ لہٰذا لوگوں پر اس کا تسلیم کرنا ضروری ہے۔

تو جب امامت کا قیام خدا کی طرف سے ہے تو پھر اس میں شک کرنا کفر ہے۔ اس لئے کہ وہ خلافِ خدا کوئی کام نہیں کرتا پس لوگوں کو اُسے تسلیم کرنا چاہیئے۔

چنانچہ رسولِ خداؐ نے جنگ سے اُس وقت اجتناب فرمایا جب مشرکین نے اُنہیں خانۂ خدا سے روکا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا فاصفح الصفح الجمیل ۔ پس تم خوبی کے ساتھ درگذر کرتے رہو۔

جب اُنہیں ساتھی ملے اور اُن سے قوّت حاصل ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

اقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم وخذوھم
واحصروھم واقعدوا لھم کل مرصد[1]۔

ترجمہ:۔ مشرکین کو جہاں جہاں تم پاؤ قتل کر ڈالنا اور ان کو
گرفتار کر لینا اور ان کا محاصرہ کرنا اور ہر ہر راستہ پر ان کے
لئے گھات میں بیٹھنا چاہیئے۔

ایک عالم:۔ اگر امامتِ علیؑ از جانبِ خدا ہے تو اُنہوں نے تبلیغ
اور دعوت کو کیوں ترک کیا۔ جیسا کہ پیغمبر صلّی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم تبلیغ
کیا کرتے تھے۔

مامون:۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ علیؑ پیغمبر تھے یا مامور بہ تبلیغ بلکہ علیؑ
خدا اور مخلوق کے درمیان رہبر اور ہادی تھے جس نے اُسکی
اتباع کی اُس نے خدا کی فرمانبرداری کی۔ جس نے اُس کی مخالفت
کی اُس نے خدا کی نافرمانی کی۔

اگر اُسے نصرت بہم میسّر ہوتی تو جہاد کرتے اگر نہیں تو ملامت
لوگوں پر ہے اُس پر نہیں۔ اسلئے کہ لوگ اُس کی طاعت پر بہر حال
مامور ہیں اور وہ جہاد پر مامور نہیں مگر قوت رکھنے کے بعد۔

علیؑ بمنزلۂ خانۂ خدا ہے لوگوں پر اس کا حج واجب ہے

---

[1] سورۂ حجر آیت ۸۵، ۲۔ سورۂ توبہ آیت ۵

اگر وہ حج نہ کریں تو ملامت ان پر ہو گی خانہ خدا پر نہیں۔[1]

ایک عالم :۔ اگر امام مفترض الطاعۃ (جس کی طاعت فرض ہو) کا وجود لازم ہے۔ پس وہ علیؑ کیوں ہو اُن کا غیر کیوں نہیں۔

مامون :۔ وہ شخص مجہول ہوگا یا معلوم۔

اگر مراد مجہول ہو تو خدا اور رسولؐ مجہول آدمی کی طاعت کا حکم نہیں دیتے۔ پس ضروری ہوا کہ رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بارے بتلائے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو اور خدا اور مخلوق کے بارے ممکنہ عذر منقطع ہو۔

اسے یوں سمجھو مثلاً اللہ تعالےٰ نے روزے کو واجب کیا اور اس کے بارے یہ نہ بتلایا کہ وہ کس مہینے میں ہے یا اُس کی کیا نشانی ہے۔ تو کیا لوگ اپنی عقلوں سے ارادۂ الٰہی کو سمجھ جاتے اگر وہ سمجھ پاتے تو پھر رسولِ امین اور اُن کی خبر کو نقل کرنے والے امام مبین کی ضرورت نہ ہوتی۔

جناب سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا سے کسی نے پوچھا کہ آقا زادی اگر تیرا شوہر خلیفہ برحق ہے تو گھر سے باہر جاکر لوگوں کو اپنی بیعت پہ کیوں آمادہ نہیں کرتا تو آپ نے جواب میں یہ حدیث پڑھی کہ خلیفہ مثل کعبہ ہے کعبہ کسی کے پاس جانے اور طواف کرنے کا مکلف نہیں بلکہ لوگ اس کے پاس جانے اور طواف کرنے کے لئے تکلیف دیئے گئے ہیں۔ (نور الہدایۃ فی الامامۃ ص ۲۳، للمحقق علامہ الحلی دمالی۔)

المختصر یہ کہ وہ جو بھی اشکال وارد کرتے مامون اس کا مسکت خصم جواب دیتے جس سے وہ مغلوب اور ساکت ہو جاتے۔

اس وقت مامون نے کہا کہ تم نے جو کچھ کہا اس کا جواب سُنا اب میں تم سے سوال کرتا ہوں۔

سب علماء:۔ آپ سوال کریں۔

مامون:۔ حضور ختمی مرتبت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا: من کذب علیّ متعمّداً فلیتبوّا مقعدہٗ من النّار۔ کہ جو مجھ پر کذب بیانی کرے خدا اُس کی جگہ آگ میں قرار دے۔

مامون:۔ کیا یہ سب روایت نہیں کرتے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی صاحب صغیرہ یا کبیرہ گناہ کرے اس پہ مصر ہو اور اُسے اپنا دین بنالے تو اللہ تعالےٰ اُسے ہمیشہ کیلئے جہنّم میں ڈالے گا۔

سب علماء:۔ جی ہاں ایسا ہی ہے۔

مامون:۔ اب بتاؤ کہ جسے لوگ خلیفہ بنائیں اُسے خلیفۃ الرّسولؐ کہہ کر پکارنا جائز ہے جبکہ وہ خدا کی طرف سے خلیفہ تھا اور نہ ہی خلیفۂ رسُولؐ بلکہ تم لوگ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھُوٹ باندھ رہے ہو اور تم نے ابھی یہ تسلیم کیا تھا کہ جو

جھوٹی روایت کرے اُس کے بارے رسالتمآبؐ نے آتشِ جہنم کی وعید سُنائی ہے۔

اب مجھے بتاؤ کہ تمہاری کونسی بات دُرست سمجھی جائے۔

؎ کِس کا یقین کیجئے کِس کا نہ کیجئے
لائے ہیں بزم یار سے خبر الگ الگ

کیا یہ کہ حضورؐ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے دنیا سے جاتے وقت کِسی کو خلیفہ نہیں بنایا یا یہ کہ حضرت ابوبکر کو خلیفۃ الرسولؐ کہا جائے پس خدا خوفی کرو۔ نری تقلید میں نہ رہو اور شبہات سے اجتناب کرو۔ بخدا اللہ تعالیٰ بندہ سے قبول نہیں کرے گا مگر وہ جو کہ عقل و فہم سے ایمان لائے۔ پس جان لو کہ شک و شبہ میں کفر ہے اور کافر جہنمی ہے۔

مامون: کیا یہ سزاوار ہے کہ کوئی ایک غلام خریدے، خریداری کے بعد آقا غلام بن جائے اور خریدار اس کا غلام۔

سب علماء: ہرگز نہیں۔

مامون: تو پھر تمہارے لئے یہ کیسے جائز ہے کہ تم جمع ہو کر اپنی خواہشات کیلئے کسی کو خلیفہ بناؤ اور وہ تم پر خلیفہ اور بادشاہ بنے۔

بلکہ حق تو یہ ہے کہ تم اس پر خلیفہ اور حاکم بنو۔ کیونکہ تم ہی تو

اُسے بنا رہے ہو اور خلیفۃ الرسُول کا نام دے رہے ہو۔
اور جب اس پر غضبناک ہوتے ہو تو اُسے قتل کرتے ہو۔ چنانچہ تم نے حضرت عثمان کے ساتھ کیا۔

ایک عالم: - امام وکیلِ مسلمین ہوتا ہے۔ جب تک مسلمان اُس سے خوش ہوں اُسے اپنا والی سمجھیں گے جب اُس سے ناراض ہوں گے معزول کردیں گے۔

مامون: - یہ مسلمان اور بلاد و عباد سب کس کی ملکیت ہیں۔

سب علماء: - خدا کی مِلک ہیں۔

مامون: - اس بات کے لئے خدا سب سے اَولیٰ ہے کہ وہ اپنے بندوں اور ملکوں پر خود وکیل قرار دے۔

اور اس پر اُمّت کا اجماع ہے کہ اگر کوئی غیر کی ملکیّت میں تصرّف کرے تو وہ چیز اس پر حرام اور وہ اسکا ضامن ہے۔
پس تمہیں کیا حق پہنچتا ہے کہ تم بلادِ خدا میں تصرّف کرو اور وکیل بناؤ اور پھر اُسے معزول کرو۔

مامون: - کیا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے وصال کے اپنا خلیفہ بنایا تھا۔

سب علماء: - لم یستخلف رسُول اللہ ﷺ۔ رسولؐ نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا۔[1]

---

[1] صحیح مسلم ج۲ صفحہ ۱۲۰ مطبوعہ دہلی

مامون :- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلیفہ نہ بنانا ہدایت تھا یا ضلالت -

سب علماء :- ہدایت تھا -

مامون :- تو پھر لوگوں کو گمراہی سے بچکر ہدایت کی پیروی کرنی چاہیئے تھی -

سب علماء :- ان لوگوں نے ایسا ہی کیا -

مامون :- جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا تو انھوں نے رسولؐ کے بعد خلیفہ کیوں بنایا - اور تم ابھی مان گئے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ وآلہ وسلم کا خلیفہ نہ بنانا ہدایت تھا تو یہ محال ہے کیونکہ ہدایت ہدایت کے خلاف نہیں ہو سکتی -

اگر ترک استخلاف ہدایت تھا تو حضرت ابوبکر نے اپنے بعد خلیفہ کیوں بنایا اور پھر حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کے عمل کے خلاف شوریٰ کمیٹی کو یہ کام کیوں سونپا -

تمہارے گمان کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کو بھی خلیفہ نہیں بنایا -

لیکن حضرت ابوبکر نے خلیفہ بنایا اور پھر عمر نے اس بات

ہیں نہ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کی اور نہ ہی حضرت ابوبکر کی بلکہ تیسری قسم ثالثی کو اختیار کیا۔

پس تم ان میں سے کس بات کو صحیح سمجھتے ہو۔

اگر فعل رسُولؐ درست تھا تو پھر ماننا پڑیگا کہ فعل حضرت ابوبکر غلط تھا۔ اب بتاؤ کہ کونسا کام بہتر تھا۔ آیا حضورؐ صلّی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ نہ بنانے کا عمل یا جنہوں نے اُن کے بعد خلیفہ بنایا ان کا عمل۔

اگر کہو کہ دونوں کا عمل ہدایت تھا تو ہدایت ضلالت کی ضد ہے اب ان دو فعلوں میں ضلالت کونسی تھی۔

نیز یہ بتلاؤ کہ رحلتِ رسالتمآبؐ کے بعد اب تک صحابہ کے بنانے سے والی بنتے چلے آرہے ہیں۔

اگر کہو کہ نہیں تو پھر تمام ضلالت میں تھے اگر کہو کہ ہاں تو تمام اُمت تمہاری تکذیب کرے گی۔

اور یہ بتاؤ کہ خدا کا یہ ارشاد قل لمن ما فی السمٰوات والارضؕ قل للہ (اے رسُولؐ ان سے) پوچھو کہ بھلا جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے کس کا ہے (وہ کیا جواب دیں گے) تم خود کہہ دو کہ خاص خدا کا ہے۔

مامون :- کیا تمام موجودات خدا کے لئے نہیں جبکہ وہ اُس کا پیدا کرنیوالا اور مالک ہے۔

سب علماء :- بالکل سب کچھ اسی کے اختیار میں ہے۔

مامون :- تمہارا یہ اقرار خود تمہارے کردار کا ابطال کرتا ہے۔ کیونکہ یہ مان کر پھر تمہیں کیا حق پہنچتا ہے کہ خلیفہ خود بناؤ اسکی طاعت کو واجب سمجھو اور اُسے خلیفۃ الرّسُولؐ کا نام دو۔ اس صورت میں جبکہ وہ رسولِؐ خدا سے مربوط نہیں تم خود ہی اسے بناتے ہو۔ اور جب اس سے ناراض ہوتے ہو تو معزول کرتے ہو۔ اگر تمہاری مَن مرضی کے خلاف جائے تو اُسے قتل کر دیتے ہو۔

تم پر افسوس مرنے کے بعد جب تم خدا و رسُول کے حضُور پیش ہو گے تو پیغمبر صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم پر جھُوٹ باندھنے کا کیا جواب دو گے۔

جبکہ خود اُنھوں نے فرمایا ہے کہ جو مجھ پہ کذب بیانی کریگا اُس کا ٹھکانہ جہنّم ہے۔

جب بات یہاں تک پہنچی تو تمام ساکت ہو گئے۔

مامون نے کہا کہ خاموش کیوں بیٹھے ہو۔

تو وہ بولے کہ اب ہم کہیں تو اور کیا کہیں۔

مامون:۔ میری اتنی ہی حجت تم پر کافی ہے۔

اور آخر میں قبلہ رُخ ہو کر دستِ بدُعا ہوئے۔

اور کہا، بارِ الٰہا! میں نے ان کو نصیحت کی جو مجھ پر لازم تھا میں نے حق ادا کیا اور اپنی گردن سے بوجھ اُتارا۔ میں نے ان کو شک و شبہ میں نہیں رکھا۔

خدایا! میں تیرے حضور حضرت علیؑ کے صدقے تقرّب چاہتا ہوں جیسا کہ ہمیں رسولؐ نے حکم دیا تھا اور اسی دین کا پیرو ہوں۔ اس کے بعد مامون نے مجلس برخاست کی

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّد

لہ تاریخ آلِ محمدؐ ص۱۵۰ تالیف مفتیٔ اعظم ترکی آقائی بہلول بہجت عیون اخبار الرضا از ص۱۸۳ لغایت ص۲۰۰ مطبوعہ نجف۔

علامہ شبلی نعمانی، مامون کا مذہب کے زیرِ عنوان لکھتے ہیں کہ سُنّی مؤرخ اس کے محاسن و فضائل کا علانیہ اعتراف کرکے بڑی حسرت سے لکھتے ہیں کہ "افسوس شیعی تھا" شیعہ سخت ناراض ہیں کہ اُس کا تشیع بالکل فریب تھا جس کے ذریعہ سے اس نے حضرت علی رضا علیہ السّلام پر قابو حاصل کیا اور پھر زہر دلوایا۔ (المامون ص۱۸۲ ط لاہور)

(مامون بلاشبہ مومنانہ بصیرت کا حامل تھا لیکن افسوس اس نے اسے سیاست اور ہوسِ ریاست کے بھینٹ چڑھا دیا)
(مؤلف)

مُناظرہ

(۲۶)

مامون کے زمانہ میں علمائے جبریہ[1] میں سے ابو العتاہیہ نامی ایک شخص مامون کی مجلس میں بیٹھا تھا۔

علمائے عدلیہ[2] میں سے ثمامہ نامی ایک شخص بھی وہاں موجود تھا۔

ابو العتاہیہ نے مامون سے کہا کہ اگر اجازت ہو تو ثمامہ سے مناظرہ کروں۔

اجازت ملی۔

ابو العتاہیہ نے ثمامہ کو مخاطب کرتے ہوئے اپنا ہاتھ بلند کر کے کہا کہ اے ثمامہ! میرا ہاتھ کس نے بلند کیا ہے۔

ثمامہ نے کہا کہ اس نے جس کی ماں زناکار ہے۔

ابو العتاہیہ غضبناک ہوا اور مامون سے کہا کہ اے امیر المومنین

---

[1] جبریہ:۔ وہ ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ تمام افعال خدا سے صادر ہوتے ہیں۔ بندے بمنزلۂ آلہ ہیں۔

[2] عدلیہ:۔ وہ ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ افعال بندوں سے صادر ہوتے ہیں۔ بقوت خدا اس اختیار سے جو خدا نے اپنی مشیت سے انہیں خود دیا ہے

یہ شخص آپ کے حضور مجھے گالیاں دے رہا ہے۔

ثمامہ نے کہا کہ اے بادشاہ معلوم ہوا کہ اس نے اپنے مذہب سے ہاتھ اُٹھا لیا، اس لئے کہ اس کے مذہب میں فاعل خدا ہے اور خدا کی ماں نہیں لہذا یہ کیوں غصّے میں آیا۔

ابوالعتاہیہ سرنگوں خجل اور مغلوب ہوا۔ لہ

مصباحُ العقائد

اصُولِ دین کے بارے میں ایک استدلالی پیشکش

تالیف:- آیۃ اللہ میرزا حسن الاحقاقی مدظلہ کویت

مترجم:- مولانا الحاج ناصر حسین صاحب نجفی

قیمت ۴/- روپے

لہ مناظرات بادانش مندان ص۱۹۷ مشہد مقدس

مناظرہ

۲۷

شعبی کا کہنا ہے کہ واسط شہر کے پاس سے گذرتے ہوئے عید قربان کا موقعہ پیش آیا۔ حجاج بن یوسف ثقفی چونکہ وہاں موجود تھا۔ اس لئے انہوں نے نمازِ عید پڑھائی۔ میں نے بھی اُن کے ساتھ نماز پڑھی۔

نماز کے بعد اُنہوں نے اُٹھ کے ایک مفصّل خطبہ دیا۔ اور اس کے بعد وہ اپنے دارالحکومت چلے گئے۔

وہاں سے میری طلبی کے لئے ایک آدمی بھیجا۔ جب میں حاضر ہوا تو کہا اے شعبی آج عیدالاضحیٰ کا دن ہے چاہتا ہوں کہ تیرے سامنے ایک عراقی قتل کر دوں۔ بہتر یہ ہے کہ تو اس کی باتیں سنے اور تجھے پتہ چلے کہ جو کچھ میں کرتا ہوں وہ بجا ہے۔ میں نے کہا اے امیر بہتر تو یہ ہے کہ اس کی بجائے رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کی ناسی ہیں وہ قربانی دے۔ اُنہوں نے دی تھی۔

آج بڑا دن ہے اس خیال کو دل سے نکال دیں۔

حجّاج نے کہا کہ اے شعبی اگر تُو اس شخص کی باتیں سُن لے تو مان جائے گا کہ میرا اقدام برمحل ہے اس لئے کہ وہ ایک ایسا آدمی ہے جو خدا و رسولؐ پر جھُوٹ باندھتا اور اسلام میں رخنہ ڈالتا ہے۔

مَیں نے کہا کہ خوُب ہوتا کہ امیر مجھے معاف کرتے ہوُئے اجازت بخشتا۔

حجاج نے کہا ایسا نہیں ہو سکتا۔

بلکہ ضروری ہے کہ تُو حاضر ہو اور اُس کی باتیں سُنے

اس وقت حکم دیا کہ نطعؔ بچھایا اور سیاف یعنی جلّاد کو بُلایا جائے۔

اس کے بعد حکم دیا کہ اس بُوڑھے شخص کو حاضر کرو۔

جب اُسے لایا گیا مَیں نے دیکھا تو وہ یحییٰ بن یعمر ہے جو بصرہ کے محترم فقہاء میں سے تھا، دیکھ کر صدمہ ہوُا کہ نہ جانے اب یہ کیا کہے گا جبکہ حجاج کے نزدیک اس کا قتل واجب ہو گیا

لہ وہ ایسا دستر خوان ہے کہ جب کسی مجرم کے بارے حکم ہوتا کہ اس کا سر کاٹا جائے تو اُسے اُس پر بٹھاتے اور اُس کا سر کاٹتے تاکہ خون فرش پر گر سکے اور نہ ہی نیچے سرایت کر سکے۔

ہے۔

حجاج نے اُس کی طرف رُخ کرکے کہا کہ تُو عراق کا رئیس ہے۔

اُس نے کہا میں علمائے بصرہ میں سے ایک عالم ہُوں۔

حجاج نے کہا کیا تُو یہ کہتا ہے کہ حسن اور حسین علیہم السّلام رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کی ذرّیت ہیں۔

یحییٰ نے کہا میں نہیں بلکہ میرا خدا کہتا ہے۔

حجاج نے کہا اس پر دلیل کیا ہے۔

اُس نے کہا کتابِ خدا۔

حجاج نے مجھے کہا دیکھو یہ کیا کہتا ہے میں نے اب تک اس سے یہ بات نہیں سُنی تھی۔

آیا تجھے قرآن میں کوئی ایسی آیت ملی ہے جس میں حسن و حسین علیہما السّلام کو ذریت پیغمبر کہا گیا ہو۔

شعبی کہتا ہے کہ میں نے بڑا سوچا لیکن میرے ذہن میں اس قسم کی کوئی آیت نہ آئی۔ اُس وقت حجّاج نے یحییٰ کی طرف رُخ کرکے کہا شاید تیری مراد آیۂ مباہلہ ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

قل تعالوا ندع ابناءنا و ابناءکم و نساءنا ونساءکم و انفسنا و انفسکم ثم نبتھل فنجعل لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔[1]

ترجمہ :- اگر تم سے کوئی (نصرانی) عیسیٰؑ کے بارے میں حجت کرے تو کہو کہ (اچھا میدان میں) آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلاتے ہیں اور تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ۔ اور ہم اپنی عورتوں کو (بلائیں) اور تم اپنی عورتوں کو، اور ہم اپنی جانوں کو بلائیں اور تم اپنی جانوں کو۔ اس کے بعد ہم سب مل کر (خدا کی بارگاہ میں) گڑگڑائیں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت کریں۔

جنہیں رسولِ خدا مباہلہ میں ہمراہ لے گئے

شعبی کہتا ہے کہ حجاج حافظِ قرآن تھا جب اس نے یہ آیت تلاوت کی تو میں خوش ہوا کہ یحییٰ رہائی پا لے گا کہ یہ آیت[2]

---

[1] پ۳ سورۂ آلِ عمران - آیت ۶۱

[2] لما نزلت ھذہ الایۃ ندع ابناءنا و ابناءکم الخ دعا رسول اللہ علیہ وسلم علیاً و فاطمۃ وحسنا وحسینا فقال اللھم ھؤلاء اھلبیتی

سعد بن وقاص سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام جناب فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسین علیہم السلام کو بلا کر عرض کی اے اللہ! یہ ہیں میرے اہلبیتؑ۔ تفسیر کبیر ص۴۶۳ ج ۲ - تفسیر کشاف ص۱۹۳ - تفسیر جلالین ص۵۳ تفسیر مظہری ص۶۹ ج ۲ مطبوعہ حیدر آباد دکن

اس بات پر صراحت کرتی ہے کہ حسن و حسین علیہم السلام فرزندانِ رسولِ خداؐ ہیں۔

یحییٰ نے کہا کہ خدا کی قسم یہ آیت اس مطلب پر صریح دلالت کرتی ہے لیکن میری یہ نہیں بلکہ دوسری آیت ہے۔

یہ سن کر حجاج کا رنگ متغیر ہوا اور سر جھکا کر سوچنے لگا۔ قدرے تامّل کے بعد سر اٹھا کر کہا کہ اگر تو نے اس آیت (آیۂ مباہلہ) کے علاوہ کوئی اور آیت پیش کی تو میں تجھے دس ہزار روپے انعام دوں گا ورنہ تیرا خون مجھ پر حلال ہوگا۔

شعبی کہتا ہے کہ میں فکر میں پڑ گیا کہ یہ کونسی ایسی آیت پیش کرے گا کہ جس پر قانع ہو کر حجاج اس کا خون معاف کرے گا۔

یحییٰ نے کہا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ومن ذریتہ داؤد و سلیمان[1]۔

اس سے اللہ تعالیٰ نے کس کی ذریت مراد لی ہے۔

حجاج :- ابراہیمؑ کی۔

یحییٰ :- کیا داؤد اور سلیمانؑ ذریت ابراہیم تھے۔

---

[1] تلک حجتنا اٰتینٰھا ابراھیم علیٰ قومہٖ (باقی اگلے صفحہ پر)

حجاج :۔ ہاں!
یحییٰ :۔ اللہ تعالیٰ نے اور کسی کو اُن کی ذُرّیت قرار دیا۔
حجاج :۔ (آیت پڑھتے ہوئے) وایّوب و یوسف و موسیٰ و ھارون وکذالک نجزی المحسنین۔

۔ نرفع درجٰت من نشاء ان ربّک حکیمٌ علیمٌ ۸۳ و وھبنا لہٗ اسحٰق و یعقوب ط کلا ھدینا و نوحاً ھدینا من قبل ومن ذرّیتہٖ داؤد و سلیمان و ایوب و موسیٰ و ھٰرون و کذالک نجزی المحسنین ۸۴ و ذکریّا و یحییٰ و عیسیٰ و الیاس کلٌّ من الصّٰلحین ۸۵ سورۂ انعام

ترجمہ :۔ اور یہ ہماری دلیل تھی جو ہم نے ابراہیمؑ کو اُن کی قوم پر (غلبہ پانے کے لئے) عطا کی تھی۔ ہم جس کے چاہتے ہیں بہت سے درجے بلند کر دیتے ہیں۔ بیشک تمہارا ربّ صاحبِ حکمت و علم ہے۔ اور ہم نے اُن کو اسحاقؑ و یعقوبؑ عطا کئے۔ ہر ایک کو اپنا راستہ دکھایا اور نوحؑ کو پہلے ہی راستہ دکھایا تھا اور ان کی اولاد میں سے داؤدؑ کو اور سلیمانؑ کو اور ایوبؑ کو اور یوسفؑ کو اور ہارونؑ کو (راہ دکھائی) اور ہم نیکی حاصل کرنے والوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں اور ذکریاؑ کو اور یحییٰؑ کو اور عیسیٰؑ کو اور الیاسؑ کو (راہ دکھائی) اُن میں سے ہر ایک صلحاء میں سے تھا۔

یحیٰی :۔ کیا اور کسی کو بھی ذرّیت قرار دیا ہے تو حجاج نے آیت پڑھی:۔ وذکریا و یحیٰی وعیسٰی

جب حجاج یہاں تک پہنچے تو یحیٰی نے کہا کہ عیسٰیؑ کہاں سے ذرّیتِ ابراہیمؑ بنا جبکہ اُن کا والد نہ تھا۔

حجّاج نے کہا کہ وہ اپنی ماں مریم کی طرف سے ذریتِ ابراہیمؑ بنا۔

یحیٰیؒ نے کہا کہ مریم اور ابراہیمؑ کے درمیان اگرچہ (زمانے کا) فاصلہ کافی ہے لیکن پھر بھی اُس کے بیٹے عیسٰیؑ کو ذریّت میں شمار کیا گیا۔

اور فاطمہؑ جو بنتِ محمدؐ ہے اس کا بیٹا ذریتِ محمدؐ نہیں بن سکتا۔

شعبی نے کہا کہ اس بات سے گویا حجاج کے مُنہ پر پتھر پڑ گئے اور وہ چیخ کر بولا کہ خدا اس کا بُرا کرے اسے رہا کرو اور ہزار درہم اسے دیدو۔

اس وقت ایک اُونٹ منگوایا اور قربانی کے عنوان سے نحر کیا اس کے بعد حکم دیا کہ کھانا لایا جائے۔ کھانا کھانے کے بعد بغیر کسی مزید بات چیت کے ہم متفرق ہوئے۔[۱]

---

[۱] بحارالانوار صلے۱۴۷ جلد دہم۔ چھاپ جدید۔

مناظرہ

(۲۸)

ایک دن شاہ خدا بندہ نے اپنی عورت پر غضبناک ہو کر اُسے کہا "انتِ طالق ثلاثاً" کہ تجھے تین طلاقیں ہوں۔ چونکہ اہل سنّت والجماعت کے ہاں اتنا کہنے سے تین[۱] طلاق واقع ہو جاتی ہیں۔ اس بادشاہ بعد میں اس بات پر بہت پشیمان ہوا۔

چنانچہ وزراء کو حاضر کیا اور علماء صاحبان کو بلایا اور اُن سے پوچھا کہ کیا اس مسئلے میں کوئی اختلاف یا گنجائش ہے۔

---

[۱] عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال کان الطلاق علی عہد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم وابی بکر وسنّتین من خلافتہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ طلاق الثلاث واحدۃً فقال عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ انّ النّاس استعجلوا فی امرٍ کانت لھم فیہ اَنَاۃٌ فلوا امضیناہ علیھم فامضاہ علیھم۔ (صحیح مسلم ص۴۷۷ ج ۱۔ مطبوعہ دہلی)

عبداللہ ابن عباس سے مروی ہے کہ زمانہ رسالتمآب صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

انہوں نے کہا ہرگز نہیں تیری عورت کو تین طلاق ہوگئیں
اب دوبارہ رجوع کیلئے محلل کی ضرورت ہوگی۔
وزراء میں سے ایک صاحب بولے کہ حلہ میں ایک اہل علم
جو علامہ کے خطاب سے مشہور ہے اس قسم کی طلاق
کو باطل سمجھتا ہے۔
شاہ نے کہا اُسے دربار میں حاضر کیا جائے۔
حسب الحکم حلّی کو خط لکھا گیا۔
علماء نے اس کی مخالفت کی اور کہا کہ یہ کس رافضی
اور کم عقل کو بلا رہے ہو جس کا مذہب ہی باطل ہے۔
بادشاہ نے کہا یہ تو دیکھنے سے پتہ چلے گا۔

بقیہ صفحہ گذشتہ

دورِ خلافت ابوبکر اور عمر کے دورِ خلافت میں بھی دو برس تک ایسا تھا کہ یکبارگی تین طلاق ایک شمار ہوتی تھی۔ پس حضرت عمر نے کہا کہ جس امر میں لوگوں کیلئے دیری مناسب تھی اس میں انہوں نے عجلت سے کام لیا۔ پس اگر ہم تین بار طلاق ایک ہی دفعہ ان پر جاری کر دیں تو بہتر ہے۔ پس حکم دیا کہ ایک بار تین طلاق دے تو تینوں واقع ہوگئیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ مجلس واحد میں تین طلاقوں کو ایک بنانا حضرت عمر کی سُنّت ہے۔

چنانچہ علامہ صاحب تشریف لائے۔ باقی چار فقوں کے علماء کو بھی بلایا گیا۔

بادشاہ سلامت دربار میں بیٹھے

تمام علماء بکمال آداب مجلس میں آکر بیٹھ گئے لیکن علامہ حلّی اُن کے علی الرغم جوتیاں ہاتھ میں اٹھائے سیدھے جاکر بادشاہ کے پہلو میں بیٹھ گئے۔ یہ دیکھ کر علماء نے فوراً کہا کہ بادشاہ سلامت ہم نے نہیں کہا تھا کہ یہ شخص ضعیف العقل ہے۔

بادشاہ نے کہا ایسے نہیں بلکہ اس کی کوئی وجہ ہوگی، اور وہ خود اس سے پوچھو۔

چنانچہ علماء کرام علامہ حلّی کی طرف متوجہ ہوکر کہنے لگے کہ تو نے بادشاہ کے سامنے سر کیوں نہیں جھکایا اور تو کورنش کیوں نہیں بجا لایا۔

علامہ نے فرمایا کہ پیغمبر اسلام سلطانِ حقیقی تھے اُن کی طرف سے اس سلسلے میں بہترین چیز سلام تھی کیونکہ خدا نے بھی یہی فرمایا ہے۔

فاذا دخلتم بیوتاً فسلموا علیٰ انفسکم تحیۃً

من عند اللہ مبٰرکۃً طیبۃً[1]۔
ترجمہ:۔ جب تم اپنے گھروں میں جانے لگا کرو تو اپنے لوگوں کو سلام کرلیا کرو جو کہ دعا کے طور پر ہے اور جو خدا کی طرف سے مقرر ہے اور برکت والی عمدہ چیز ہے۔
اور اس میں شیعہ سنّی بلا اختلاف متفق ہیں کہ غیر خدا کو سجدہ جائز نہیں۔
پھر انہوں نے سوال کیا کہ شاہ کے پہلو میں کیوں بیٹھے۔
کہا اور کوئی جگہ نہ تھی۔
علامہ جو کچھ عربی میں کہتے ترجمہ نگار اس کا فارسی میں ترجمہ کرتے۔
انہوں نے کہا کہ تو اپنی جوتیاں یہاں ساتھ کیوں اٹھا لایا جو آدابِ دربار کے خلاف ہے۔
اس نے کہا مجھے خوف تھا کہ کہیں اسے حنفی نہ چرالیں کیونکہ ابوحنیفہ نے رسولؐ کی نعلین چرائی تھی۔
یہ سن کر حنفی چلّائے کہ ابوحنیفہ رسولؐ کے زمانے میں کب تھے جو انہوں نے جوتیاں چرائیں۔ وہ تو رسولؐ کے کئی سال بعد متولّد ہوئے

[1] پ۱۸۔ سورۂ نور۔ آیت ۶۱

علّامہ حلّی نے کہا اشتباہ ہو گیا وہ امام مالک تھے جس نے جوتیاں چرائیں۔

مالکیوں نے صدا بلند کی کہ وہ زمانہ رسولؐ میں کب موجود تھے جو چوری کرتے۔

علّامہ نے کہا سہو ہو گیا وہ دراصل محمّد بن ادریس شافعی نے چرائی تھیں۔

یہ سُن کر شافعی علماء چیخے کہ شافعی کی ولادت تو ابو حنیفہ کے روز وفات ہوئی۔

تو علّامہ بولے شاید وہ احمد بن حنبل تھے۔

اُس وقت حنبلی بولے کہ حنبل کہاں اور زمانہ پیغمبرؐ کہاں وہ تو تقریباً آنحضرت صلعم کے دو سو سال بعد پیدا ہوئے۔

حنبلیوں کی اس وضاحت کے بعد علّامہ نے بادشاہ کی طرف متوجّہ ہو کر کہا کہ اشخاص چاروں مذہبوں کے رئیس ہیں اور بتلاتے ہیں کہ اُن کے اماموں میں سے کسی نے بھی زمانہ رسولؐ کو نہیں پایا۔

اور یہ ظاہر ہے کہ جب زمانہ رسولؐ نہیں پایا تو اُن کے صحابی بھی نہ تھے۔

پس یہ احکام[1] وہ کہاں سے لائے۔
اے بادشاہ اگر کوئی شخص رسولؐ کے زمانے میں ہو اور براہ راست اُن سے احکام اخذ کرتا ہو کیا وہ افضل نہیں ہوگا؟

[1] احکام میں بنیادی چیز نماز ہے جس کے بارے میں فرمانِ معصوم ہے:۔
اِن قُبِلَت قُبِلَ ماسواھا و اِن رُدّت رُدَّ ماسواھا۔
یعنی اگر نماز قبول ہوگئی تو تمام اعمال قبول ہوں گے۔ اگر نماز مردود ہوئی تو سارے اعمال اکارت ہوں گے۔
سرکار رسالتمآبؐ نے فرمایا۔ صلّوا کما رأیتمونی اُصلّی کہ جس طرح تم نے مجھ کو نماز پڑھتے دیکھا اُسی طرح ہی نماز ادا کرو۔

امام ابو حنیفہ مولود ۸۰ھ
امام مالک " ۹۳ھ
امام شافعی " ۱۵۰ھ
امام احمد بن حنبل " ۱۶۴ھ

ان میں سے چونکہ کوئی بھی زمانۂ رسولؐ میں موجود نہ تھا لہٰذا اُن میں سے کسی نے بھی آنحضرت صلعم کی نماز بچشم خود نہیں دیکھی۔ یہی وجہ ہے کہ اُن میں خاصا اختلاف رہا چنانچہ کوئی ہاتھ کھولنے کا قائل تھا تو کوئی ہاتھ باندھنے کا اور طرّہ یہ کہ اس میں بھی اختلاف کوئی ناف کے نیچے رکھتا تھا تو کوئی ناف اور سینہ کے مابین۔
رہی ہاتھ باندھنے کے بارے احادیث وغیرہ سو بحر العلوم نے رسائل الارکان میں شیخ ابن ہمام سے نقل کیا ہے کہ لم یثبت حدیث

صحیحُ سینے کے نیچے یا زیرِ ناف ہاتھ باندھنا کسی حدیث صحیح سے ثابت نہیں دیکھو فتاویٰ عبدالحی ص۴۶ جلد۳ ۔ طبع لاہور ۔

علّامہ محمد سبطین اپنی تالیف منیف میں ہاتھ باندھنے کے بارے تحریر فرماتے ہیں کہ یہ طریقہ ایرانی مجوسیوں سے لیا گیا ہے اِنہی کا یہ طریق تھا۔ جب جنگِ قادسیہ ہوئی اور ایران کا ایک بڑا حصّہ مفتوح اور ایرانی اسیر اوّل اوّل قید ہو کر حضرت عمرؓ کے دربار میں اسی صُورت میں پیش ہوئے تو اُن کو اُن کی یہ اَدا پسند آگئی اور فرمایا کہ کیا اچھا طریقہ ہے ۔ اگر ہم بھی اپنے آقا کے دربار میں (وقتِ عبادت) اسی طرح کھڑے ہوا کریں۔ چنانچہ اس کے متعلق احکام جاری ہو گئے جیسا کہ العسکری کی کتاب الاوائل میں اس کی تصریح ہے اور اس کی اس سے بھی تائید ہوتی ہے جو آئمہ معصومین خصوصاً حضرت علیؑ نے فرمایا ہے کہ لا تکفروا فی الصّلوٰۃ فانّھا طریق المجوس۔ نماز میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہ کھڑے ہوں کہ یہ مجوسیوں کا طریقہ ہے۔"

اس بارے امام مالک کا مشہور مذہب یہ ہے کہ نماز میں ہاتھ چھوڑے جائیں اور اُس کی دلیل یہ ہے کہ انّ النّبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کان یرفع عند تکبیرۃ الافتتاح ثمّ یرسل۔ (دیکھو ہدایہ ص۱۰۲ حاشیہ نمبر۲)

کہ حضور پُرنور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم تکبیرۃ الاحرام کے وقت ہاتھ اُٹھاتے اور پھر چھوڑ دیتے تھے۔

اور ہمارے آئمہ اطہار کا بھی یہی حکم ہے۔ چنانچہ حضرت امام باقر علیہ السّلام فرماتے ہیں کہ جب تُو نماز کیلئے کھڑا ہو تو اپنے ایک قدم کو دوسرے کے ساتھ نہ ملا بلکہ درمیان میں کم از کم ایک اُنگل اور زیادہ سے زیادہ ایک بالشت فاصلہ رکھ اور

بادشاہ نے مزید وضاحت چاہی۔

تو علّامہ نے کہا کہ شیعہ علیؑ کی اتباع کرتے ہیں جو نفسِ رسولؐ بھی ہے اور برادر و وصیٔ رسولؐ بھی۔ جنہوں نے بلا واسطہ رسولؐ سے احکام و شرائع حاصل کئے لہذا اُن کا طریقہ اور مذہب سب پر مقدّم ہے۔

اے بادشاہ یہ طلاق جو آپ نے اپنی زوجہ کو دی ہے باطل ہے۔ کیونکہ طلاق میں دو عادل گواہ شرط ہیں اور آپ کے یہاں گواہ موجود نہیں تھے۔

اس کے علاوہ علّامہ نے اُن علماء سے دیگر مسائل پر بھی مباحثہ کیا جس میں وہ لاجواب ہوئے۔ اسی مناظرہ کے اثر سے اس مجلس میں شاہ خدا بندہ شیعہ ہوئے۔ چنانچہ

کندھے ڈھلکے رکھ و ارسل یدیک اور دونوں ہاتھوں کو نیچے لٹکا دے۔
(فروع کافی صـ۱۹۷)

کتاب مذکور کے صـ۱۸ میں ہے کہ حماد بن عیسٰی کو تعلیم کرنے کی غرض سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام رو بقبلہ کھڑے ہوئے فارسل یدیہ جمیعًا علی فخذیہ قد ضمّ اصابعہ اور دونوں ہاتھ دونوں زانوؤں پر لٹکا دیئے اور دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ملالیں۔ الخ

انہوں نے اپنی قلمرو میں شاہی فرمان جاری کیا کہ خطبے میں بارہ اماموں کے نام لئے جائیں اور مساجد و مشاہد میں آئمہ معصومینؑ کے مبارک نام نقش کئے جائیں۔ چنانچہ شاہِ موصوف نے مذہب شیعہ کی خوب ترویج کی۔

آپ نے شب عید الفطر ۷۱۶ھ قمری کو قزوین کے نزدیک اپنے بنا کردہ شہر سلطانیہ میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔ منتخب التواریخ ص۴۰۲

مُناظرہ

(۲۹)

جب شیخ صدوق[۱] کی علمی و عملی عظمت کا آوازہ رُکن الدولہ کے کانوں تک پہنچا تو آپ کی زیارت کا مشتاق ہوا۔

چنانچہ بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ شیخ کو پاس آنے کی دعوت دی۔

موصوف کی آمد پر پُر تپاک استقبال کیا گیا اور اُسے اَپنے پہلو میں جگہ دی۔

---

[۱] رئیس الفقہاء والمحدثین جناب شیخ صدوق علیہ الرحمۃ

آپ ابن بابویہ کے خلف الصدق تھے۔ ابو جعفر آپ کی کنیت اور لقب آپکا صدوق تھا۔ آپ کا سینہ حقائق کا دفینہ اور جواہر علوم کا خزینہ تھا۔

شیخ نجاشی نے لکھا ہے کہ وہ ہمارے شیخ فقیہہ اور رے و خراسان کے شیعوں کے ناک مُنہ اور آبرو تھے۔

شیخ طوسی کی فہرست کے مطابق آپ کی تقریباً تین سو تصنیفات ہیں۔

منجملہ کتب اربعہ کی ایک اہم کتاب من لا یحضرہ الفقیہ بھی ہے۔

جہاں آپ احادیث میں بصیر اور رجال میں خبیر تھے وہاں آپ علم جدل و کلام میں بھی یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔

رسمی علیک سلیک کے بعد سلسلۂ کلام کا آغاز یوں ہوا:۔

رُکن الدّولہ:۔ جنابِ محترم! اس محفل میں کچھ ایسے فضلاء موجود ہیں جو شیعوں کے بعض بزرگوں کے بارے طعن و تشنیع کو ضروری اور بعض غیر ضروری بلکہ ناجائز سمجھتے ہیں۔

اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔

شیخ صدوق:۔ اے بادشاہ جان لے کہ اللہ تعالےٰ اُس وقت تک بندوں سے اقرارِ توحید قبول نہیں کرتا جب تک وہ غیر خدا یعنی بتوں کی نفی نہ کریں۔

چنانچہ کلمۂ توحید اس پر دال ہے۔

اسی طرح رسالتمآب صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کے بارے اقرارِ نبوّت کو بھی قبول نہیں کرتا جب تک وہ مسیلمہ کذاب اسود عنسی اور سجاع جیسے جھوٹوں سے برأت نہ کرے۔

اسی طرح ولایت مآبؑ کے بارے اقرارِ ولایت کو بھی قبول نہیں کرتا تا اینکہ وہ اُن کی خلافت کے غاصبوں سے بیزاری اختیار نہ کرے۔

رُکن الدولہ نے شیخ کے جواب کو پسند کیا۔ اُس کی

مدح و ثنا کے بعد یہ خواہش ظاہر کی کہ اُن لوگوں کے انجام کے بارے بتلایا جائے جو زبردستی مسند آرا ہوئے خلافت ہوئے۔

شیخ صدوق:۔ سورۂ برأت کے واقعہ نے اس بات کا فیصلہ کر لیا ہے اور وہ یہ کہ ان لوگوں کا اسلام اور حضرت خیر الانام سے کوئی تعلّق نہیں تھا اور یہ کہ حضرت علیؑ کی امامت آسمان سے نازل ہوئی۔

رکن الدّولہ:۔ ذرا اس کی تفصیل ہو جائے۔

شیخ صدوق:۔ مخالف و موافق ہر دو اس پر متفق ہیں کہ جب سورۂ برأت نازل ہوئی تو آنحضرتؐ نے کو بلا کر فرمایا کہ اس سورت کو لیکر جاؤ اور ایّام حج میں میری طرف سے کفّار و مشرکین کو سناؤ۔ چنانچہ وہ بزرگ اُسے لیکر روانہ ہوئے۔ ابھی تھوڑا ہی راستہ طے کیا تھا کہ جبرئیلؑ نازل ہوئے اور تحفہ درود و سلام کے بعد عرض کی کہ ارشادِ باری ہے:۔

لا یؤدی عنك الّا انت او رجل منك

یعنی اس سورت کی تبلیغ آپ خود کریں یا وہ

کرے جو آپ سے ہو۔
چنانچہ آنحضرت صلعم نے حضرت امیر المؤمنینؑ کو حکم دیا کہ جاکر سورۂ برآت ——— سے لو اور جاکر ایام حج میں لوگوں کو پڑھ کر سناؤ۔
چنانچہ امیر المؤمنینؑ نے حکم کی تعمیل کی اور جاکر اس فرض سے عہدہ برآ ہوئے۔
واقعۂ مذکورسے معلوم ہؤا کہ ——— آنحضرتؐ سے نہ تھا۔ جب اُن سے نہ تھا تو آپؐ کا صحیح پیرو کار بھی نہ تھا جس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:۔
من تبعنی فانہٗ منّی۔ جو میری پیروی کریگا وہ مجھ سے ہوگا، اور جب اُن کا پیرو کار نہ ہؤا تو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد قل ان کنتم تحبّون اللہ فاتّبعونی یحببکم اللہ و یغفرلکم ذنوبکم کے مطابق اُن کا دوست بھی نہ ہوگا۔ جب خدا و رسولؐ کا محبّ نہ ہوگا تو مبغض ہوگا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ اُن سے محبّت کرنا کُفر ہے اور روایت بالا سے ثابت ہے کہ حضرت علیؑ رسولِ اسلام ہیں سے ہیں۔ علاوہ ازیں اور بھی بہت سی روایات

اس پر دلالت کرتی ہیں۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ۱ فمن کان علی بینۃٍ من ربہٖ یتلوہ شاھد منہ

کی تفسیر[1] میں وارد ہے کہ اس سے مراد حضرت امیر المومنینؑ ہیں۔

اور اسی طرح غزوہ اُحد میں جب باقی صحابہ چھوڑ کر چلے گئے تو اُس وقت جبرئیلؑ نے دیکھا کہ شہسوار معرکہ لا فتیٰ اور مبارز میدانِ ھل اتیٰ حضور صلعم کی دفاع میں پوری جانفشانی اور جاں سپاری سے مجاہدہ فرما رہے ہیں تو اُس وقت حضور صلعم سے آکر عرض کی کہ یا رسول اللہ حضرت علیؑ کمال جوانمردی سے انتہائی درجے کی مواسات اور ہمدردی بجا لا رہے ہیں۔ تو حضورؐ نے فرمایا اے جبرئیلؑ انہ منی وانا منہ کہ وہ مجھ سے ہے اور میں اُس سے ہوں اُس وقت جبرئیلؑ نے کہا انا منکما کہ میں تم دونوں میں سے ہوں[2]

---

[1] تفسیر کبیر ص ، تفسیر دُرّ منثور ص ، تفسیر مظہری ص ۱۳

[2] معارج النبوۃ ص ۱ رکن چہارم۔ کنز العمال ص ۲۵۱ ج ۱

اس سے ثابت ہوا کہ جس صاحب کو اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید کی چند آیات لوگوں تک پہنچانے کا حق دار نہیں سمجھا اُسے تمام دینِ الٰہی پہنچانے کے لئے کیسے اہل سمجھا جا سکتا ہے۔ اس سے بڑھ کر مظلومی اور کیا ہو سکتی ہے کہ آسمانی حکم سے معزُول شُدہ فرد اُس سے خلافت لے جس کی ولایت آسمان سے نازل ہوئی ہو۔

رُکن الدّولہ:۔ جو کچھ آپ نے افادہ فرمایا بالکل درست ہے۔ اس وقت بادشاہ کے مقرّبین میں ابوالقاسم نامی ایک شخص نے اجازت لیکر شیخ سے سوال کیا۔

ابوالقاسم:۔ یہ کس طرح مانا جا سکتا ہے کہ اُمّت گمراہی پر جمع نہ ہو۔ حالانکہ حضُور صلعم کا فرمان ہے کہ لا تجتمع اُمّتی علی الضّلالۃ کہ میری اُمّت گمراہی پر جمع نہ ہو گی۔

شیخ صدوق:۔ لُغت عرب میں اُمّت کے معنی جماعت کے ہیں اور جماعت کا لفظ کم از کم تین افراد پر ہوتا ہے اور بعض کے نزدیک مرد و زن کے مجمُوعہ پر بھی جماعت کا

لفظ بولا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو تنہا ایک شخص کو بھی اُمّت فرمایا ہے۔

انّ ابراھیم کان اُمّۃً قانتًا للّٰہ حنیفًا۔[1]

لہٰذا بنا بر تسلیم صحتِ حدیثِ مذکور ممکن ہے کہ اس سے حضرت علیؑ اور اُن کے سعادت قرین پیرو کار مُراد ہوں۔

ابوالقاسم:۔ ظاہر و مناسب تو یہ ہے کہ اسے سوادِ اعظم کے معنی پر محمول کیا جائے جو تعداد میں زیادہ ہیں۔

شیخ صدوق:۔ میں نے قرآن کے متعدد مقامات پہ کثرت کی مذمّت اور قلّت کی مدح دیکھی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

لاخیر فی کثیر من نجویٰھم۔ (سورۂ نساء۔ آیت ۱۱۴)

باتوں میں اکثر میں بھلائی (کا تو نام تک نہیں)۔

ولٰکنّ اکثرھم لا یعقلون (سورۂ عنکبوت۔ آیت ۶۳)

مگر ان میں سے اکثر (اتنا بھی) نہیں سمجھتے۔

ولٰکنّ اکثرھم لا یشکرون۔ (سورۂ نحل۔ آیت ۷۳)

مگر اکثر لوگ اس کا شکر نہیں کرتے۔

ولٰکنّ اکثر النّاس لا یؤمنون (سورۂ مومن۔ آیت ۵۹)۔

اکثر لوگ ایمان نہیں رکھتے۔

[1] سورۂ نحل۔ آیت ۱۲۰

ولٰکن اکثرھم یجھلون ۔ (سورۂ انعام ۔ آیت ۱۱۱)

لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے ۔

واکثرھم فاسقون ۔ (سورۂ توبہ ۔ آیت ۸)

مگر اُن میں سے اکثر فاسق ہیں ۔

الذین آمنوا وعملوا الصالحات وقلیل ما ھم (سورہ سبا آیت ۱۳)

وہ جو ایمان لائے ہوں اور نیکوکار ہوں اور وہ ہیں ہی تھوڑے ۔

وما آمن معہٗ الا قلیل ۔ (سورۂ ہود ۔ آیت ۴۰)

اور اُن کے ساتھ ایمان بھی تھوڑے ہی لوگ لائے تھے ۔

نیز اس کی تائید قوم موسیٰؑ کے بارے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے بھی ہو جاتی ہے جس میں چند ہدایت یافتہ لوگوں کو بھی اُمت کہا گیا ہے ۔

ومن قوم موسیٰ امۃ یھدون بالحق وبہ یعدلون

اور قومِ موسیٰؑ کے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو حق بات کی ہدایت کرتے ہیں اور حق کے بموجب فیصلے کیا کرتے ہیں ۔

رکن الدولہ :۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلعم کی رحلت کے بعد قربِ عہد کے باوجود آپ کی اُمت کے بیشتر

افراد مرتد ہوں۔
شیخ صدوق :- کیونکر ممکن نہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے خود اسکی خبر دی ہے۔
وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افائن مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم[1]
(ترجمہ :- اور محمد تو ایک رسول ہے ہو چکے اس سے پہلے بہت رسول پھر کیا اگر وہ مرے یا مارا جائے تو پھر جاؤ گے اُلٹے پاؤں)۔
رحلتِ رسالتمآبؐ کے بعد لوگوں کا مرتد ہو جانا قومِ موسیٰؑ کے ارتداد سے زیادہ تعجب انگیز نہیں جبکہ موسیٰؑ تیس دن کا وعدہ کر کے میقات پر گئے اور ہارونؑ کو اپنے بعد قوم میں اپنا خلیفہ بنایا۔ بموجب ارشادِ الٰہی :-
وا تممنا ها بعشر فتم میقات ربه اربعین لیلاً۔
(ترجمہ :- اور وعدہ ٹھہرایا ہم نے موسیٰؑ سے تیس رات

---

[1] شاہ عبدالقادر اس آیۂ کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس سے اشارت نکلتی ہے کہ حضرتؐ کی وفات پر بعض لوگ پھر جاویں گے اور جو قائم رہیں گے ان کو بڑا ثواب ہے۔ اسی طرح ہوا کہ بہت لوگ حضرتؐ کے بعد مرتد ہوئے۔ (دیکھو موضح القرآن)
بعض صحابہ سے مروی ہے کہ :-
کنا ندفن النبی صلی اللہ علیہ وسلم بایدینا والایمان یظہر من قلوبنا۔ (منصب امامت صـ۲۴ مطبوعہ لاہور)۔
ہم حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دفن کر رہے تھے اور ایمان ہمارے دلوں سے جا رہا تھا۔

کا اور پورا کیا ان کو دس سے تب پوری ہوئی مدت تیرے رب کی (چالیس رات) تیس دن کی بجائے چالیس دن ہوئے جس پر قوم صبر نہ کر سکی حتیٰ کہ اُن میں سامری اُٹھا اور اُن کے زیورات سے ایک بچھڑا بنایا اور کہا کہ یہ ہے ہمارا خدا۔ ہارون علیہ السلام لاکھ روکتے رہے لیکن قوم نے ایک نہ سنی حتیٰ کہ اُن کے قتل کا ارادہ کیا۔ چنانچہ آیہ انّ القوم استضعفونی و کادوا یقتلوننی۔ (ترجمہ:۔ ہارونؑ نے کہا اے میرے ماں جائے (بھائی) ان لوگوں نے مجھکو بے حقیقت سمجھا اور قریب تھا کہ مجھ کو قتل کر ڈالیں) اس پر دال ہے۔

جب قوم موسیٰؑ ایسے اولوالعزم پیغمبر کے عین حیات اُن کے چند دن کی غیبت پر بگڑ کر اُن کے نامز خلیفہ کو چھوڑ کر سامری کی اطاعت کرتے ہوئے بچھڑا پرستی شروع کر سکتی تو اس اُمت کیلئے یہ کیونکر ممکن نہیں کہ پیغمبرؐ کی وفات کے بعد اُن کے وصی کی مخالفت کر کے گمراہ ہو

بادشاہ نے شیخ صدوق کے جواب کو پسند فرمایا اور کہا کہ اے شیخ کیا اس سلسلے میں آپ اور بھی روشنی ڈال سکتے ہیں۔

شیخ صدوق:۔ کیوں نہیں۔ ہمارے مخالف اُمت کے لئے وجوب وجود امام کے قائل نہیں بلکہ کہتے ہیں

کہ اُمّت نے از خود خلیفہ بنایا۔

اَب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر رسُولؐ نے خلیفہ نہیں بنایا تو کیا اُمّت کا از خود خلیفہ بنانے کا فعل صحیح ہوگا۔ اگر کہو کہ اُمّت کا از خود خلیفہ بنانا درست اور معتبر تھا تو پھر (معاذ اللہ) رسُولؐ کے خلیفہ نہ بنانے کا عمل خطا ہوگا۔

اَب ذرا سوچ کر بتاؤ کہ فعلِ خطا رسُول اللہ کی طرف منسُوب کرنا سزاوار ہے یا اُمّت کی طرف۔

باقی علماءِ عامہ کا یہ کہنا کہ رسُولؐ نے دُنیا سے جاتے وقت خلیفہ کے بارے میں وصیّت نہیں فرمائی۔ تو یہ بات تو ہم ایک دیہاتی گنوار کے لئے بھی تسلیم نہیں کرتے کہ وہ دُنیا سے جاتے وقت اپنے پس انداز مال و اسباب کے بارے پسماندگان کو وصیّت نہ کرے، چہ جائیکہ رسالتمآبؐ دُنیا سے رحلت فرمائیں اور اپنے بعد نظامِ کار کو کسی اپنے نائب کے سپُرد نہ کریں۔

اور پھر کماں تعجب کی بات ہے کہ رسُولؐ تو اپنے بعد کے لئے کسی کو خلیفہ نہ بنائیں۔ لیکن حضرت ابوبکر (اس معاملے میں) مخالفتِ رسُولؐ کرتے ہوئے حضرت عمرؓ کو اپنا خلیفہ نامزد کریں۔

اور پھر حضرت عمرؓ (اس امر میں) رسول اللہ اور حضرت ابوبکر ہر دو کی مخالفت کرتے ہوئے خلافت کو شوریٰ کمیٹی کے چھ افراد کی صوابدید پر چھوڑ دیں۔

بادشاہ نے اس بات کو پسند کیا اور سوال کیا کہ اے شیخ تو پھر قوم نے کس وجہ سے اُنہیں (حضرت ابوبکر) کو دوسروں پہ مقدم کر کے امام بنایا۔

شیخ صدوق:- اُن کا گمان یہ تھا کہ رسالتمآب نے اُنہیں (ابوبکر) کو امامتِ نماز کے لئے مقدم کیا[1] لیکن یہ خبر صحیح نہیں اس لئے کہ مخالفین کا اس میں خود اختلاف

---

[1] **تحقیق امامتِ نماز**

میرے سامنے سیرت کی قدیم ترین کتاب سیرت النبی ابن ہشام ہے۔ جس میں امامتِ حضرت ابوبکر کی صحیح تصویر نظر آجاتی ہے۔

اوّلاً قدیم سیرت نگار ابن اسحاق لکھتا ہے کہ عبداللہ ابن زمعہ بن اسود بن مطلب بن اسد کا کہنا ہے کہ جب حضور صلعم کی علالت نے شدت اختیار کر لی تو آپ نے بلال کو نماز کیلئے بلایا اور فرمایا مرّو من یصلّی بالنّاس کہ جو شخص ہو اُسے کہہ دو کہ نماز پڑھا دے۔

یہاں مَن موصولہ ہے جس میں کسی کی تعیین اور تخصیص نہیں بلکہ عموم ہے جس سے کوئی بھی مراد ہو سکتا ہے۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

دوم:۔ حضرت عمر جو خلافتِ ابوبکر کے سرگرم محرّک تھے نے اسے دلیل امامت نہیں گردانا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ جب حضورؐ صلعم نے نماز میں حضرت عمرؓ کی آواز سُنی تو فرمایا این ابوبکر؟ یأبی اللہ ذالك والمسلمون فلو لا مقالۃ قالہا عمر عند وفاتہ لم یشك المسلمون أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم قد استخلف أبا بکر، ولکنّہ قال عند وفاتہ إن استخلف فقد استخلف من هو خیر منّی وإن أترکهم فقد ترکهم من هو خیرٌ منّی فعرف النّاس أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم لم یستخلف احداً۔ وکان عمر غیر متّهم علی أبوبکر۔ (سیرت ابن ہشام ج۲ ص۲۲۲ ط بیروت)

کہ ابوبکر کہاں ہیں؟ اللہ اور مسلمان اسے نہیں مانتے۔

پس اگر حضرت عمر وقتِ وفات یہ نہ فرماتے کہ اگر میں خلیفہ بناؤں تو اس شخص (ابوبکر) نے خلیفہ بنایا ہے جو مجھ سے بہتر ہے اور اگر میں لوگوں کو یونہی چھوڑ دوں تو اس ہستی (رسول اللہ) نے بھی لوگوں کو یونہی چھوڑ دیا تھا جو مجھ سے بہتر ہے تو مسلمانوں کو رسولؐ کے ابوبکر کو خلیفہ بنانے میں کبھی شک نہ ہوتا۔

پس حضرت عمر کے قول مذکور سے لوگوں نے یہ سمجھا کہ رسولؐ نے کسی کو خلیفہ بنایا ہی نہیں۔ ویسے حضرت عمرؓ کو حضرت ابوبکر سے کوئی عداوت نہ تھی۔

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت عمرؓ واقعہ نماز کو دلیل امامت نہیں سمجھتے تھے اگر سمجھتے تو کبھی لم یستخلف رسول اللہ نہ کہتے نیز سقیفہ میں اسے اہم پوائنٹ سمجھتے ہوئے بطور دلیل ضرور پیش کرتے۔

سوم:۔ رسالتمآبؐ نے حضرت ابوبکر کو جیش اسامہ کے ساتھ بھیجا اور پھر

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

ہے کہ جب آنحضرت صلعم اس پر اطلاع یاب ہوئے تو حضرت علیؑ اور حضرت عباسؓ کے دوش پر سہارا لئے مسجد میں تشریف لائے اور حضرت ابوبکر کو ہٹا کر خود محراب میں کھڑے ہوئے۔ حضرت ابوبکرؓ آنحضرتؐ کے پیچھے اور دوسرے لوگوں نے اس کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز ادا کی[1]۔

اور بعض روایات میں ہے کہ حضور صلعم نے بی بی حفصہ سے کہا کہ جا کر اپنے والد سے کہہ دے کہ لوگوں کو نماز پڑھائے۔

اگر خبر مذکور صحیح ہوتی تو مہاجر ادلۂ ضعیفہ کی بجائے انصار کے سامنے اسے حجت بناتے۔

بقیہ حاشیہ گذشتہ

لطف یہ کہ تخلف جیش اسامہ پر لعن تک سے بھی دریغ نہیں فرمایا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ موصوف نے جیش اسامہ سے تخلف کر لیا ہو اور حضورؐ نے اُسے امام نماز مقرر کر لیا ہو۔

چہارم:۔ آنحضرتؐ نے خود نماز نہیں پڑھائی بلکہ جب اُنہیں پتہ چلا تو شدت مرض کے باوجود مسجد میں آئے اور لوگوں کو نماز پڑھائی تاکہ لوگ کہیں (اس کی امامت کے بارے) غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

[1] بخاری شریف ص ۶۳۹ جلد ۲۔ مطبوعہ مجتبائی۔

باقی ہم بی بی عائشہ اور حفصہ کا قول قبول کرنا کیسے لازم جان سکتے ہیں جبکہ اس بات کا احتمال ہو سکتا ہے کہ اُنہوں نے یہ سب کچھ اپنے والدین کے نفع کی خاطر کیا ہو۔ حالانکہ اُنہوں نے صدیقہؑ کُبریٰ اور بتُول عذرا کے قول کو قبول کرنا لازم نہیں جانا۔

اور جب حضرت امیر المؤمنینؑ حسنین علیہم السّلام اور اُمّ ایمن نے گواہی دی تو شیخین نے حضرت امیرالمومنین وغیرہ کی گواہی جلب منفعت کے لئے سمجھتے ہُوئے رَدّ کی۔

باوجودیکہ حضورؐ صلعم نے ایسے باغ فدک بخشا تھا اور آنحضرتؐ کی عین حیات اُن کے تصّرف میں رہا۔ وَیسے بھی جناب سَیّدہ معصُومہ کا کذب اور اَدنیٰ معاصی سے علوّ ظاہر ہے۔

اَیضًا بی بی عائشہ اور حفصہ کی گواہی اَپنے والد کے لئے صحیح ہو سکتی ہے جبکہ عامہ کے نزدیک شہادتِ دُختر بحق پدر وَیسے ہی دُرست نہیں۔ نیز اُن کے نزدیک عورتوں کی گواہی جب اُن کے ساتھ کوئی مرد ہو تو دس درہم

یا اُس سے کم کیلئے بھی[1] جائز نہیں۔

بادشاہ نے کہا حق یہی ہے۔

اس کے بعد رکن الدولہ نے سوال کیا کہ گروہ امامیہ نے اس بات پر کہاں سے یقین کر لیا کہ اُمّت کے امام اور رسُولؐ کے خلیفے صرف بارہ ہی ہیں۔

شیخ صدوق: اے بادشاہ امامت فرائض خدا میں سے ایک فریضہ ہے اور خدا کا ہر فریضہ مخصوص گنتی تک محدود ہوتا ہے۔

کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالےٰ نے شب و روز میں سترہ رکعت نماز فرض کی ہے۔ زکوٰۃ مفروضہ کو چند گنی چنی چیزوں میں معہود اور متعلق فرمایا ہے۔ رمضان

---

[1] فقط عورت کی گواہی مقبول نہیں۔ (دیکھیے فتاویٰ عالمگیری ج ۵ ص ۲۷۰ مطبوعہ لاہور)
اس کی وجہ صاحب ہدایہ نے یہ لکھی ہے کہ لان الاصل فیہا عدم القبول لنقصان العقل و اختلال الضبط و قصور الولایۃ۔
یعنی عورتوں کی گواہی میں اصل یہ ہے کہ قبول نہ ہو کیونکہ اُن کی عقل میں نقصان اور اُن کی ضبط میں خلل ہے یعنی اچھی طرح یاد نہیں رکھتی ہیں اور اُن کی ولایت میں قصور ہے۔ کیونکہ وہ بادشاہ اور امیر نہیں ہو سکتیں۔

کا روزہ سال میں ایک اور حج کو مدّتِ عمر میں ایک بار فرض فرمایا۔ پس اسی طرح امامت کو بھی آئمہ اثنا عشر تک محدود رکھا۔

جس طرح عدد رکعات وغیرہ میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس سے کم و بیش کیوں نہیں اسی طرح آئمہ کے بارے میں بھی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ بارہ سے کم و بیش کیوں نہیں۔

جس طرح اللہ تعالےٰ نے قرآن میں اعمال مفروضہ میں سے کسی ایک کی گنتی ذکر نہیں فرمائی بلکہ حضور پُر نور نے اس اجمال سے نقاب کشائی کی۔

اسی طرح آئمہ ھُدیٰ کی تعیین بھی کلام اللہ میں ذکر نہیں۔ بلکہ صرف اطاعت اولی الامر کا ذکر فرمایا۔ حضورؐ نے اُن کی کمیّت اور تعداد[1] بیان فرمائی۔ (انتہی بقدر الحاجتہ)۔

دیکھو مجالس المومنین ج-۱ صفحہ ۴۶۰ مطبوعہ طہران

---

[1] جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ حضور صلعم نے فرمایا:۔

لا یزال ھذا الدین عزیزاً منیعاً الی اثنی عشر خلیفۃً

کہ یہ دین اس وقت تک مٹ نہیں سکتا بلکہ قائم رہے گا۔ جب تک بارہ خلیفے رہیں گے۔ (ترمذی شریف ج-۲ صفحہ ۴۶ ط کراچی۔ مشکوٰۃ شریف صفحہ ۵۵ ط کراچی بخاری شریف ج-۲ صفحہ ۱۰۷۲ مطبوعہ مجتبائی۔ صحیح مسلم ج-۲ صفحہ ۱۱۹ مطبوعہ دہلی)۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

جابر بن عبد اللہ انصاری نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اُن کے بارہ خلیفوں کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بتلایا کہ پہلے علیؑ پھر حسنؑ پھر حسینؑ پھر علی بن الحسینؑ پھر محمد باقرؑ پھر جعفر الصادقؑ پھر موسیٰ کاظمؑ پھر علی ابن موسیٰؑ پھر محمد بن علیؑ پھر علی بن محمدؑ پھر حسن بن علیؑ پھر قائمؑ ہوں گے جن کا نام میرے نام اور کنیت میری کنیت کی طرح ہوگی۔ جس کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ مشرق و مغرب کو فتح کرے گا۔

(دیکھو ینابیع المودۃ ج ۱ ص ۴۹۴ مطبوعہ طہران)

ناموسِ حق

مذہبی اور تاریخی حقائق پر مشتمل معلومات افزا اور

فکر انگیز مضامین

رشحاتِ کلک

مولانا آغا عبد الحسن صاحب سرحدی

قیمت ۸ روپیے

مُناظرہ

(۳۰)

مصابیح القلوب میں ہے کہ ایک روز قاضی عبد الجبار معتزلی بغداد میں اپنی مجلس درس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ فریقین کے علماء کے ساتھ ساتھ اور کافی لوگ بھی بیٹھے تھے۔

شیخ مفیدؒ[1] جو ان دنوں شیعوں کے مجتہد تھے جن کا نام

---

[1] اُستاد الاساتید الشیخ الاجل السعید فاضل عمید متکلم وحید و مناظرِ و مجادلِ فرید احمد بن محمدؐ بن نعمان الحارثی المعروف بالشیخ المفید۔

کنیت آپ کی ابا عبداللہ اور لقب مفید تھا۔

آپ فکرِ فلک پیما کے مالک متکلم نحریر اور قدسی ضمیر مجتہد تھے۔

تاریخ یافعی کے مطابق آپ مفید ابن معلّم کے لقب سے مشہور تھے۔

شیخ طوسی نے لکھا ہے کہ آپ امامیہ کے اکابر متکلموں میں سے ایک تھے اپنے زمانے میں علم و فتویٰ کے لحاظ سے علماء اعلام کے پیشوا، بدیہہ یاب حاضر جواب صاحب فکرِ عمیق اور فہمِ دقیق تھے۔

شیخ نجاشی نے لکھا ہے کہ اُن کا فضل اس سے کہیں بلند ہے کہ علم و ثقاہت اور فقہ و کلام میں اُن کی توصیف ہو سکے۔

خلاصتہ الاقوال کے مطابق آپ کی چھوٹی بڑی تقریباً سو تصنیفات ہیں۔ شیخ نجاشی اور شیخ طوسی ایسے مشائخ سدید آپ کے تلامذہ میں سے تھے۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

قاضی موصوف نے سنا ہوا تھا لیکن اُنہیں دیکھا نہ تھا۔

شیخ مفیدؒ نے چونکہ موصوف کی کافی تعریف سنی ہوئی تھی لہٰذا اُن کی مجلس میں وارد ہوئے۔ چونکہ رش بڑا تھا اس لیئے صفِ آخر میں جوتیوں والی جگہ پر بیٹھ گئے۔ جب موقعہ میسّر آیا تو قاضی کے پاس جاکر یوں مخاطب ہوئے:۔

شیخ مفیدؒ:۔ کیا میں بھی آپ سے ایک سوال پوچھ سکتا ہوں۔

قاضی:۔ کیوں نہیں ضرور پوچھیئے۔

شیخ مفیدؒ:۔ کیا حدیثِ غدیر (من کنت مولاہ فعلی مولاہ) صحیح ہے یا اُسے شیعوں نے اپنے پاس سے

یافعی نے لکھا ہے کہ فقہ و مناظرہ میں آپ بڑے کامل و ماہر تھے۔ آپ کی عظمت کا یہ عالم تھا کہ عضدالدولہ اکثر آپ کی زیارت کو آتے اور نیاز حاصل کرتے تھے۔

آپ کی شان اس سے بڑھ کر اور کیا ہو کہ سرکار امام زمانہ عجّل اللہ تعالیٰ فرجہ نے آپ کو **الاخ الرشید** کے غیر معمولی خطاب سے نوازا اور آپ کی رحلت پر مرثیہ کہا۔

گھڑ لیا ہے۔

قاضی:- خود ساختہ نہیں بلکہ صحیح ہے۔

شیخ مفید:- حدیث میں ذکر لفظ مولا سے آپ کیا معنی مراد لیتے ہیں

قاضی:- اَولیٰ بالتصّرف

شیخ مفید:- اگر یہ حدیث صحیح ہے اور مولا کے معنی بھی اولیٰ بالتصرف ہیں تو پھر آپ کے خلفاء کی خلافت کیا ہوئی۔

قاضی:- حدیث غدیر اگرچہ صحیح ہے لیکن پھر بھی روائت ہے۔ لیکن ہمارے خلفاء کی خلافت درایت ہے اور سمجھ دار لوگ روائت کی خاطر درایت کو نہیں چھوڑتے۔

شیخ مفید:- (رُخِ کلام بدلتے ہوئے) حدیث حربك حربي وسلمك سلمی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔

قاضی:- صحیح ہے۔

شیخ مفید:- تو پھر اصحابِ جمل وغیرہ کا کیا بنے گا۔

اس لحاظ سے تو وہ کافر ہوں گے۔[1]

[1] شیخ مفیدؒ کی اس سے ملتی جلتی گفتگو ایک بڑے متکلم علی بن عیسیٰ رمانی سے بھی ہوئی جسے علامہ فقید قاضی سید نور اللہ شوستری نے مناظرۂ مذکور سے پہلے نقل فرمایا ہے۔

بحث کے دوران شیخ مفید نے رمانی سے پوچھا کہ :-

اس آدمی کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں جس نے امام برحق کے کے خلاف خروج کیا ہو۔

عیسیٰ رومانی :- وہ کافر ہے (پھر استدراک کرتے ہوئے کہا) نہیں بلکہ وہ فاسق ہے۔

شیخ مفید :- آپ علیؑ کی امامت کے بارے کیا کہتے ہیں۔

رومانی :- یقیناً وہ امام تھے۔

شیخ مفید :- تو پھر طلحہ و زبیر اور اُمّ المومنین کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔

رومانی :- اُنہوں نے بعد میں توبہ کی۔

شیخ مفید :- اُن کا جنگ کرنا درائت ہے اور توبہ کرنا روائت اور ابھی آپ خود کہہ چکے ہیں کہ درایت روائت پر مقدم ہوتی ہے۔

رومانی نے لاجواب ہو کر پوچھا تو کس کا شاگرد ہے۔

شیخ مفید :- شیخ ابوعبداللہ جعلی کا۔

رومانی :- آپ بیٹھیں میں ابھی اندر سے ہو کر آتا ہوں۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

قاضی:۔ کافر کیسے انہوں نے تو بعد میں توبہ کی۔

شیخ مفید:۔ قاضی صاحب! جنگ درایت ہے اور توبہ روایت اور ابھی آپ نے خود فرمایا ہے کہ عاقل آدمی روایت کی خاطر درایت کو نہیں چھوڑتا۔

یہ سُن کر قاضی متحیّر اور مبہوت ہوگیا۔ قدرے سکوت کے بعد پوچھا آپ کا نام؟

شیخ مفید:۔ مجھے محمّد بن محمّد حارثی کہتے ہیں۔

قاضی:۔ انت المفید حقّاً۔ کہ تو واقعی مفید ہے۔

(مجالس المومنین ج ۱ ص ۴۶۵ ط تہران)

بقیہ صفحہ گذشتہ

اندر جاکر رُقعہ لکھا اور اُسے سر بمہر کر کے شیخ مفید کے حوالے کیا اور کہا کہ اسے اپنے استاد کو دے دینا۔

استاد نے جب خط کھولا دیکھا تو مسکرا کر کہا مکتوب نگار نے مجلس میں واقعہ سارا ماجرا نقل کیا ہے اور ساتھ ہی تجھے مفید کا لقب بھی دیا ہے۔ (مجالس المومنین ج ۱ ص ۴۶۴)

مناظرہ

(٣١)

ایک دن شیخ مفیدؒ بغداد میں محمدؐ بن محمد طاہر کے گھر تشریف لائے۔ اُس وقت اُن کے ہاں کچھ دانشمند حضرات بیٹھے تھے منجملہ اُن کے ورثان نامی ایک فقیہ بھی تھے، جنہوں نے شیخ مفید سے کہا کہ کیا تم یہ نہیں کہتے کہ رسولِ خداؐ خطا و لغزش سے معصوم اور سہو و غلطی سے مامون تھے۔ عقل میں کامل اور رعیت سے بے نیاز تھے۔

شیخ مفید:۔ بالکل کہتے ہیں۔

ورثان:۔ پس اس آیت:۔ وشاورھم فی الامر فاذا عزمت فتوکّل علی اللّٰہ۔

(ترجمہ:۔ اور اُن سے معاملات میں مشورہ کر لیا کرو اور جب تم کسی بات کا پختہ ارادہ کر لو تو اُس وقت اللّٰہ پر بھروسہ کرو) کے بارے آپ کیا کہتے ہیں۔

شیخ مفید:۔ آنحضرت صلعم کی لوگوں سے مشورت کوئی اس لحاظ سے نہ تھی کہ وہ اُن کی رائے کے محتاج تھے۔

جیسا کہ تو نے سمجھا ہے۔
بلکہ وہ خطا سے معصوم تھے۔ اُن کی رائے سب سے
برتر اور خوشتر تھی۔ کیونکہ اُن کی نظر صائب اور عقل کامل تھی۔
فرشتے اُن پر نازل ہوئے تھے۔ پس آنحضرتؐ کی مشورت
محض تالیفِ قلب اور تعلیم کے لئے تھی تاکہ لوگ انہیں دیکھیں
اور اُن کی تاسی میں باہم مشورہ کر لیا کریں اور خود رائے و
خود سر نہ بنیں۔
اللہ تعالیٰ کے اس فرمان وشاورھم فی الامر
فاذا عزمت فتوکل علی اللہ پر ذرا غور کریں آیہ ہذا
میں اللہ تعالیٰ نے عمل پیغمبرؐ کو مشورہ کی بجائے عزم سے معلق
فرمایا۔ نہیں تو یہ فرماتے فاذا شاور علیك فاعمل یعنی
جب وہ تجھے کوئی رائے دیں تو اس پر عمل کر۔ یا یہ فرماتے
کہ جب وہ کسی رائے پر متفق ہوں تو اس پر عمل کر۔ اگر اس
طرح فرماتے تو مشورے پر عمل ہوتا نہ کہ عزم پر۔
ان دو وجوہ یعنی تالیف اور تعلیم کی خاطر قدرت نے
مشورت کا حکم دیا۔
علاوہ ازیں ایک صورت اور بھی ہے اور وہ یہ کہ آنحضرتؐ

ان لوگوں کے درمیان شناسائی اور اُن کی باطن کشائی اور منافق و ناصح کی پہچان کے لئے بھی مشورہ فرماتے تھے۔ کیونکہ دورانِ مشورہ اظہارِ رائے کی صورت میں لوگوں کے مُنہ سے وہ باتیں بھی اُگل آتی تھیں جسے وہ چھپا رکھتے تھے۔ کیا آپ نے یہ آیت نہیں پڑھی و من اهل المدينة مردوا على النفاق لا تعلمهم نحن نعلمهم سنعذبهم مرتين ثم يردون الى عذاب اليم۔ (سورۂ توبہ آیت ۱۰۱)

اور بعض اہلِ مدینہ میں سے بھی نفاق پر اڑے ہوئے ہیں اے رسولؐ تم ان کو نہیں جانتے ہم خوب جانتے ہیں۔ عنقریب ہم اُن کو دوہرا عذاب دیں گے۔ پھر وہ بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

اُس وقت شیخ مفید نے منافقین کے بارے متعدد آیات تلاوت کیں۔

تلاوتِ آیات کے بعد اُس نے کہا کہ معرفتِ منافقین کے لئے مشورہ ہی ایک ایسی چیز تھی جس کے سبب اُن کے باطنی راز اچانک ظاہر ہو جاتے تھے اور ناصح و منافق کی تمیز ہو سکتی تھی۔ کیا تجھے پتہ نہیں جب حضور صلعم نے غزوۂ بدر

کے وقت بعض اصحاب سے مشورہ لیا تو اُس وقت اُن کے مُنہ سے اَیسے کلمات نکلے جو اُن کی نیّتِ کے غماز اَور کاشف تھے۔

اللہ تعالیٰ نے اُنہیں ظاہر فرمایا اور اُن کی مذمّت کی۔ چنانچہ ارشاد ہُوا:

ما کان للنّبی ان یکون لہ اسریٰ حتّٰی یثخن فی الارض تریدون عرض الدّنیا واللہ یرید الآخرۃ واللہ عزیزٌ حکیم لولا کتاب من اللہ سبق لمسّکم فیما اخذتم عذابٌ عظیم۔ (پ۱۰ سورۂ انفال۔ آیت ۶۷)

ترجمہ:۔ نبی کے پاس جب تک کہ وہ ملک میں غالب نہ آجائے قیدیوں کا ہونا مناسب نہیں ہے۔ تم سامانِ دُنیا کے خواستگار ہو اور خدائے تعالیٰ آخرت چاہتا ہے اور اللہ زبردست حکمت والا ہے۔ اگر تحریرِ خدا پہلے سے نہ ہوگئی ہوتی تو جو کچھ تم نے لیا ہے اس کے بارے میں تم پر بڑا سخت عذاب واقع ہوتا۔ خداوند تعالیٰ نے اُن کی رائے کی سرزنش اور توبیخ کی اور رسُولِ خدا کے لئے اُن کے باطن کو ظاہر فرمایا۔

جب شیخ مفید کا کلام یہاں تک پہنچا تو دانشمندوں میں سے ایک جس کا نام حرانی تھا ہ سے نہ رہا گیا بلکہ اس نے اٹھ کر کہا کہ شیخین منافق تھے ۔ ہمیں تجھ سے ایسی بات کی توقع نہ تھی ہم ایسی بات نہیں سن سکتے ۔ وہی پہلی بات (یعنی تعلیم اور تالیف قلوب کے لئے مشورہ فرماتے تھے) کرو۔

یاد رہے اصل داستان یہ ہے کہ مکہ کا ایک تجارتی قافلہ شام کو جا رہا تھا جس کے بارے پیغمبرؐ اسلام مامور ہوئے کہ اصحاب کے ہمراہ اُن کی طرف جائیں یا مالِ تجارت اُن کے ہاتھ آجائے گا یا پھر جنگ و محاربہ میں مبتلا ہو جائیں گے۔

چنانچہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے:۔

و اذ یعدکم اللہ احدی الطائفتین انّھا لکم و تودون ان غیر ذات الشوکۃ تکون لکم ویرید اللہ ان یحق الحق بکلماتہ و یقطع دابر الکافرین ۔ (پ ۹۔ سورۂ انفال ۔ آیت ۷)

ترجمہ:۔ اور اُس وقت کو یاد کرو جبکہ خدا نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ دو گروہوں میں سے ایک تمہارے ہاتھ لگے گا اور تم چاہتے تھے کہ کم شان و شوکت والا تمہارے ہاتھ لگے

اور اللہ تعالیٰ یہ چاہتا تھا کہ اپنے کلمات کے ذریعے سے حق کو حق ثابت کرے اور کافروں کی نسل منقطع کرے۔

الحاصل جب پیغمبر اسلامؐ نے تین سو تیرہ اصحاب کے ہمراہ کوچ فرمایا حتّیٰ کہ چاہ بدر کے پاس پہنچے اُس وقت جبرئیل نے نازل ہو کر کہا کہ تجارتی قافلہ تو چلا گیا البتہ قریش کا لشکر آپکی جانب بڑھ رہا ہے۔

چنانچہ آپ جنگ کا اقدام کریں جس کے لئے خدا نے نصرت کا وعدہ فرمایا ہے۔

اَب آپ کو چاہیئے کہ انصار کا امتحان لیں جنہوں نے تیری نصرت کا وعدہ کیا ہے۔ پس پیغمبرؐ نے اصحاب کی طرف متوجّہ ہو کر فرمایا کہ قافلہ تو نکل گیا لیکن کفّار کا لشکر تمہاری جانب آرہا ہے۔

اور خدا نے حکم دیا ہے کہ ہم ان سے لڑیں۔ جب اصحاب نے یہ بات سُنی تو لگے جزع فزع کرنے۔ انہیں خوفزدہ دیکھ کر حضورؐ نے فرمایا بتاؤ اب کیا کریں اُس وقت حضرت ابُوبکر نے کھڑے ہو کر عرض کی یارسُول اللہ قریش بڑے سرکش، متکبّر اور خود پسند لوگ ہیں وہ ہرگز ایمان

نہیں لائیں گے اور ذلت کو قبول نہیں کریں گے ویسے آپ بھی کوئی جنگ کا تہیہ نہیں کرکے آئے تھے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا کہ بیٹھ جائیں پھر دوبارہ صحابہ سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ تمہاری کیا رائے ہے۔ حضرت عمرؓ نے بھی کھڑے ہو کر من وعن انہی خیالات کا اعادہ کیا۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر نے پھر کچھ کہنا چاہا لیکن حضورؐ نے اسے بٹھا دیا۔ اس وقت مقداد نے اُٹھ کر عرض کی یارسول اللہ یہ درست ہے کہ قریش کا لشکر آرہا ہے اور اس میں شک نہیں کہ وہ متکبر ہیں۔ وہ جو کچھ ہیں رہیں۔

ہم تو آپ پر ایمان لائے ہیں ہم نے آپ کی تصدیق کی ہے اور شہادت دی ہے۔ جو کچھ آپ لائے ہیں وہ منجانب اللہ ہے۔ اگر آپؐ ہمیں حکم دیں تو ہم زمین پُرخار پر چلے جائیں گے، جلتی آگ میں کود جائیں گے لیکن بنی اسرائیل کی طرح یہ بات نہیں کہیں گے کہ اذھب انت و ربك فقاتلا انا ھٰھنا قاعدون۔

ترجمہ۔ کہ اب تم اور تمہارا پروردگار دونوں جاکر لڑو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔[۱]

---

[۱] سورۃ المائدہ۔ آیت ۲۴

بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں :-

اذهب انت و ربّك فقاتلا انا معكما مقاتلين

یعنی آپ اور آپ کا ربّ اُن سے لڑیں ہم بھی آپ کے ہمراہ اُن سے لڑتے ہیں۔

پیغمبر اسلامؐ نے یہ سُن کر اُن کیلئے دُعائے خیر فرمائی۔

پھر حضورؐ اُن سے مخاطب ہوئے جس کے جواب میں سعد بن معاذ انصاری نے اُٹھ کر عرض کی کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپؐ ہم انصار کو بھی اپنے ساتھ وابستہ کر رہے ہیں۔

حضورؐ نے فرمایا ، بالکل

اس نے کہا میرے ماں باپ آپؐ پر نثار۔ ہم آپؐ پر ایمان لائے ہیں۔ ہم نے آپکی تصدیق کی اور گواہی دی اور جو آپؐ اپنے ساتھ لائے ہیں وہ برحق اور منجانب اللہ ہے۔

جس چیز کا آپ چاہیں ہمیں حکم دیں۔ ہمارے اموال سے جو کچھ چاہیں لے لیں۔ وہ چیزیں جو آپ لیں ہمیں خوشتر لگے گا اس سے کہ اُسے ہمارے پاس چھوڑ دیں۔

بخدا اگر آپ ہمیں حکم دیں کہ دریا میں کُود پڑیں تو ہم کُود جائیں گے۔ ہم حاضر لوگ اُن سے بہتر نہیں جو پیچھے مدینہ

میں رہ گئے ہیں۔ اگر انہیں پتہ ہوتا کہ ہمارا معاملہ جنگ پر منتج ہوگا تو ہمارے ساتھ آتے۔

ہمیں امید ہے کہ خدا ہمارے سبب آپؐ کی آنکھیں روشن کرے گا۔ اگر حالات کچھ اور ہوئے تو آپ یہاں سے ہمارے قبیلے کے پاس چلے جائیں۔

حضور صلعم نے فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ فتح ہماری ہوگی۔

میں ابوجہل، عتبہ اور شیبہ کے گرنے کے مقامات دیکھ رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ الخ

پس اس شوریٰ میں بجز شیخین کے کسی اور نے اپنی رائے کا اظہار نہیں کیا۔ کیونکہ باقی سب سراپا تسلیم تھے۔

جب شیخ مفید نے اس طریقے سے قضیۂ بدر کی طرف اشارہ کیا تو حرانی نے ملتفت ہو کر کہا کہ ان دو بزرگوں کے علاوہ کسی نے مخالف رائے نہ دی۔

تو کیا آپ کا مطلب یہ ہے کہ وہ دونوں منافق تھے۔ ہم ہرگز یہ سننے کیلئے تیار نہیں۔

شیخ مفید نے کہا جناب! یہ کوئی مناظرے کا

طریقہ نہیں۔

کسی بات کو بڑا سمجھ لینا حجّت و برہان نہیں ہوتا اور نہ ہی حجّت خصم کو رفع کرتا ہے۔ میں نے تو کسی کا نام نہیں لیا جو آپ تفصیل میں جا اور سٹ پٹا رہے ہیں۔ حرانی کے علاوہ ورثان فقیہہ نے بھی اس پر سخت برہمی کا اظہار کیا اور کہا یہ بات موجب شر اور فتنہ ہے۔

شیخ مفید نے کہا کہ زور و شور کی بجائے میرے ان دلائل پر اکتفا کرو۔

(مجالس المومنین ص۲۷۴ ج ا مطبوعہ طہران)

مُناظرہ

۳۲

اہلِ سُنّت میں سے ایک کرابیسی[1] عالم نے کہا کہ میں نے شیعوں سے بڑھ کر دلیر اور عاصی کوئی نہیں دیکھا جو ناممکن بلکہ محال بات کرتے ہیں۔

مثلاً کہتے ہیں کہ آیۂ انّما یرید اللّٰہ لیذھب عنکم الرّجس اھل البیت ویطھّرکم تطھیرا۔ (احزاب آیت ۳۳)

ترجمہ:- اے اہل بیت اللّٰہ تعالیٰ کا صرف یہ ارادہ ہے کہ تم سے ہر قسم کے رجس کو دُور رکھے اور تمہیں جو پاک رکھنے کا حق ہے اسی طرح پاک رکھے۔ علیؑ و فاطمہؑ حسنؑ اور حسینؑ کے بارے نازل ہوئی ہے۔

حالانکہ یہ واضح وظاہر ہے کہ یہ آیت ازواجِ نبیؐ کے بارے نازل ہوئی ہے۔ اس لئے کہ اگر کوئی آیت کے قبل و بعد کو دیکھے تو اُسے ازواج ہی کی مناسبت نظر آئے گی۔

اگر اہلِ شیعہ جس بات کا دعویٰ کرتے ہیں اس کی دلیل اُن کے پاس کوئی نہیں۔

[1] کرابیسی کرابیس کی طرف منسوب ہے جو جرابوں کے ایک پیشوا کا نام ہے۔

شیخ مفید نے اس کے جواب میں کہا کہ سب سے جسور تر جنایت کار جاہل اور حق سے رو گرداں وہ شخص ہے جو یہ بات کرتا ہے اور وہ بات جس پر سب کا اجماع ہے کو رَدّ کرتا ہے۔

اس لئے کہ اس میں اُمّت کے مابین کوئی اختلاف نہیں کہ بعض آیات کی ابتدا میں کچھ، وسط میں کچھ اور آخر میں کچھ اور ہوتا ہے۔

اور یہ ضروری نہیں کہ تمام آیات ایک ہی نظم و نسق اور معنٰی پر مشتمل ہوں۔

دوم:۔ سُنّی شیعہ راویوں نے نقل کیا ہے کہ آیۂ تطہیر رسولِ اکرمؐ پر اُمّ سلمہؓ کے گھر نازل ہوئی۔ اس وقت آپؐ وہاں تشریف فرما تھے کہ علیؑ و فاطمہؑ حسنؑ اور حسینؑ آئے، آپؐ نے اُن پر خیبری عبا ڈالی اور فرمایا کہ خدا وندا یہ ہیں میرے اہلبیتؑ اُس وقت اللہ تعالےٰ نے آیۂ تطہیر نازل فرمائی اور حضورؐ نے اُسے تلاوت فرمایا۔

اُمّ سلمہ نے عرض کی یا رسُول اللہ کیا میں اہل بیت میں سے نہیں۔ فرمایا تو جا تو خیر پر ہے۔ یہ نہ فرمایا کہ تو اہل بیت ہے۔

نیز اصحاب حدیثِ عامہ نے بھی اسی مطلب کو روایت کیا ہے کہ جب اس آیت کے بارے حضرت عمرؓ سے سوال کیا گیا تو اُنہوں نے کہا کہ بی بی عائشہ سے پوچھو۔ جب اُن سے سوال ہوا تو اُنہوں نے کہا کہ چونکہ یہ آیت میری بہن اُمِّ سلمہ کے گھر نازل ہوئی اس لئے اُسے اس کا زیادہ پتہ ہے جا کر اس سے پوچھو۔

پس شیعہ سُنّی راویانِ حدیث دونوں نے اس کا شانِ نزول پیغمبرؐ، علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ کے بارے بتلایا ہے۔

پس اس آیت کو خیالی باتوں کی بجائے تفاسیر میں وارد روایات پر محمول کرنا زیادہ بہتر ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرماتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کا یہ ارادہ ہے کہ دُور رکھے رجس کو اور پاک رکھے تمہیں۔ یہ آیت اُن کی عصمت پر دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ ہر گندگی اور پلیدگی گناہ ہے اور اللہ تعالیٰ جن سے رجس کو دُور رکھے اور جنہیں پاک رکھے اُن سے گناہ نہیں ہو سکتی۔ پس آیت بالا سے اُن کی عصمت ثابت ہوتی ہے۔

اور علماء نے ازواجِ نبیؐ کی عدمِ عصمت پر اتفاق کیا ہے

چنانچہ کوئی بھی اُن کی عصمت کا قائل نہیں۔ پس اس آیت کو ازواج کے بارے بتلانا واضح البطلان ہے۔

اور پھر یہ کہ اہل بیتؑ کا اس پر اتفاق ہے کہ جمع مذکّر کے لئے میم اور جمع مؤنث کیلئے نون آیا کرتی ہے۔ یہ دونوں تذکیر و تانیث کی علامات ہیں۔

لغتِ عرب میں علامتِ مذکّر کا مؤنث اور مؤنث کا مذکّر کیلئے استعمال جائز نہیں نہ حقیقتاً اور نہ ہی مجازاً۔

اور ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے عورتوں کی جمع کیلئے نون کو استعمال کیا ہے:۔

یٰنِسَاءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ اِنِ اتَّقَیْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ اِلیٰ قَوْلِہٖ وَاَطِعْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ۔ پ۲۲ سورہ احزاب آیت ۳۲

ترجمہ:۔ اے نبیؐ کی بیبیو! اگر تم پرہیزگاری کرو تو تم اور عورتوں کے مانند نہیں ہو۔ پس دبی زبان سے باتیں نہ کیا کرو کہ وہ شخص جس کے دل میں روگ ہے کسی طرح کا لالچ کرے اور نیک (یعنی شک سے بچی ہوئی) باتیں کیا کرو۔ تا اینکہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتی رہو۔

یہاں تو تمام جمع مؤنث کو نون کے ساتھ لایا گیا ہے لیکن اس آیت میں عدول کر کے جمع مؤنث کو جمع مذکر کے ساتھ ذکر کیا اور فرمایا :-

لیذھب عنکم الرّجس و یطھّرکم ۔ یعنی جمع کو میم کے ساتھ ذکر کیا۔

اس سے واضح ہوا کہ قبل و بعد ذکر ہونے والی مؤنثوں کا ارادہ نہیں کیا اور اسی آیت کے بعد واذکرن مایتلیٰ فی بیوتکنّ من اٰیٰت اللّٰہ والحکمۃ[1] کی آیت میں بھی جمع کو نون کے ساتھ لایا گیا ہے ۔ پس معلوم ہوا کہ آیۂ تطہیر سے مراد وہی ہستیاں ہیں جو بیان ہوئیں ۔ اور تم مخالفین یہ دعوی نہیں کر سکتے کہ ازواج کے مابین کوئی مرد یا بیٹا تھا ۔ لہٰذا بنا بر تغلیب مذکر کو مؤنث کی جگہ لائے اس لئے کہ اس آیت سے پہلے یا بعد کی جمع مؤنثوں میں کوئی مذکر نہیں جس کیلئے تم یہ دعوی کرو ۔ پس نتیجتاً یہ معلوم ہوا کہ یہ آیت بالکل ازواج سے مربوط نہیں انتہیٰ کلام المفید

---

[1] ترجمہ ۔ تمہارے گھروں میں جو خدا کی آیتیں اور عقل و حکمت کی باتیں پڑھی جاتی ہیں ان کو یاد رکھو ۔ (سورۃ احزاب ۔ آیت ۳۴)

مُناظرہ

(۳۳)

کشتی نامی ایک سُنّی عالم نے شیخ مفیدؒ سے پوچھا کہ امامت ابوبکر کے بطلان پر تمہارے پاس کوئی دلیل ہے۔

شیخ مفید:۔ دلائل تو بہت ہیں سردست ایک دلیل پیش کرتا ہوں۔

کشتی:۔ پیش فرمائیں۔

شیخ مفید:۔ اُمّت کا اس پر اجماع کہ ایک امام دوسرے کا نیاز مند نہیں ہوتا اور اس پر بھی اجماع ہے کہ حضرت ابُوبکر نے سرِ منبر کہا کہ ولیتکم ولست بخیرکم فان استقمت فاتبعونی وان اعوججت فقومونی[1]۔ یعنی میں تمہارا والی بنا اگرچہ میں تم سے بہتر نہیں۔ پس اگر میں سیدھا رہا تو میری پیروی کرو۔ اگر کجی میں پڑا تو مجھے سیدھا کرو۔

یہ کہہ کر اُنھوں نے رعیّت کے محتاج ہونے کا اعتراف کرلیا ہے۔

---

[1] صواعق محرقہ ص۱۱ ط مصر۔

اور عقلمند سے یہ پوشیدہ نہیں کہ جو اپنی رعیّت کا محتاج ہوگا وہ امام کا بدرجۂ اولیٰ محتاج ہوگا۔ جب اُن کا رعیّت کی طرف محتاج ہونا ثابت ہوا تو امامت اُن کی خود بخود باطل ہوگئی۔

یہ سُن کر کشتی عاجز و مبہوت ہوگیا۔

ایک معتزلی اُٹھا اور اُس نے تردید کرتے ہوئے کہا کہ اُمّت نے اس پر اجماع کیا ہے کہ ایک قاضی دُوسرے کا محتاج اور ایک امیر دوسرے کا محتاج نہیں ہوتا۔

تیرے کہنے کے مطابق تو پھر اُنہیں بھی معصوم ہونا چاہیئے تھا۔

شیخ مفید: جواب دینے سے تیرا خاموش رہنا بہتر تھا۔ نہ جانے تجھ سے تیری یہ غلطی پوشیدہ رہی ہو۔ کیونکہ اجماع تیرے گمان کے خلاف ہے اور اُمّت اس پر متفق ہے کہ قاضی کا رُتبہ امام سے کم ہوتا ہے۔

اگر تیری مُراد امام سے بنفسِ نفیس خود امام ہو تو وہ کسی قاضی و امیر کا محتاج نہیں ہوتا بلکہ اپنی عصمت و کمال کے بدولت اُن سے بے نیاز ہوتا ہے یہ سُن کر وہ معتزلی مغلوب اور[1]

---

[1] مجالس المومنین ص۱۷۷ ج۲ ط تہران۔ قصص العلماء ص۴۰۲ ط تہران

مُناظرہ

(۳۴)

ایک شخص نے شیخ مفیدؒ سے کہا کہ معتزلہ اور حشویہ میں سے کچھ لوگوں کا یہ دعویٰ ہے کہ شیخین کا رسولِ خداؐ کے ساتھ خیمے میں بیٹھنا جنگاہ میں امیر المومنینؑ کے جہاد بالسیف سے بہتر تھا۔ کیونکہ وہ رسولؐ کے پاس بیٹھ کر تدبیریں مصروف رہتے تھے۔

نیز اگر یہ دو حضرات بہترین خلائق نہ ہوتے تو حضورؐ کبھی بھی اُنہیں پاس بیٹھنے کے شرف سے مشرف نہ فرماتے۔

شیخ مفیدؒ نے کہا، ہو سکتا ہے کہ بات اس کے برعکس ہو کیونکہ حضورؐ اگر اُنہیں کفّار کے ساتھ جنگ میں مجاہد جانتے تو اُنہیں یقیناً جنگ سے نہ روکتے اس لئے کہ راہِ خدا میں جہاد اور اس کا ثواب بنصِّ کتاب اللہ یوں بیٹھنے سے افضل ہے خواہ وہ آنحضرتؐ کے پاس ہی کیوں نہ ہو۔

چنانچہ ارشادِ ربّ العزّت ہے:۔

لا یستوی القاعدون من المؤمنین غیر

اولی الضرر والمجاھدون فی سبیل اللہ باموالھم و انفسھم فضل اللہ المجاھدین باموالھم و انفسھم علی القاعدین درجۃ وکلاً وعد اللہ الحسنیٰ و فضل اللہ المجاھدین علی القاعدین اجراً عظیماً۔ (سورۂ نساء۔ آیت ۹۵)

مومنوں میں سے گھر میں بیٹھے رہنے والے سوائے اُن کے جو معذور ہیں اور راہِ خدا میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرنے والے برابر نہیں ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے مال و جان سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر درجے کی رُو سے فضیلت دی ہے حالانکہ ثواب کا وعدہ ہر ایک سے کیا ہے اور جہاد کرنیوالوں کو بیٹھ رہنے والوں پر بڑی بزرگی دی ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ حضور صلعم اُن کی اس فضیلت کو پہنچنے سے مانع ہوتے اور وہ اس لئے کہ یہ دو فرد اگر میدان کارزار میں چلے گئے تو یا فرار کر جائیں گے یا عقب نشین ہو جائیں گے چنانچہ اُحد و خیبر اور حنین کے معرکے اس بات کے گواہ ہیں۔

اور اس کا ضرر اور اثر مسلمانوں پر پڑتا تو لشکر شکست کھا جاتا یا یہ خوفزدہ ہو کر دوبارہ مشرکین سے جا ملتے یا ایامِ جاہلیت کے دوستوں سے مل کر امان پا جاتے یہ تو رسولؐ کا اپنی امّت پہ لطف تھا کہ انہیں جنگ سے روکے رکھا باقی ان کا یہ کہنا کہ پیغمبرؐ نے اس لئے انہیں روکے رکھا کہ وہ ان کی رائے سے استفادہ فرماتے تھے غلطِ محض اور خیال فاسد ہے اس لئے کہ یہ بات ثابت اور ہر عاقل پہ روشن ہے کہ پیغمبرِ اسلامؐ عقل ہیں کامل تھے جبکہ وہ دونوں حضرات ناقص تھے۔ پیغمبرؐ معصوم تھے جبکہ وہ غیر معصوم پیغمبرؐ مؤید بملائکہ تھے لیکن وہ نہ تھے۔ پیغمبرؐ پر وحی ہوتی اور قرآن نازل ہوتا تھا لیکن وہ اس وصف سے محروم تھے۔ پس ان کا یہ کورانہ زعم ضعفِ عقل پہ دلالت کرتا ہے۔

اور ہماری صحتِ گفتار اور پیغمبرؐ کے ان کو خیمے میں روکے رکھنے پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان شاہد ہے:۔

انّ اللہ اشتریٰ من المؤمنین انفسھم و اموالھم بانّ لھم الجنّۃ یقاتلون فی سبیل اللہ فیقتلون و یقتلون وعداً علیہ حقاً فی التوراۃ والانجیل

والفرقان ۔ (سورۂ توبہ ۔ آیت ۱۱۱)

ترجمہ :۔ بیشک اُن مومنوں سے اُن کی جانیں اور اُن کے مال اس بات کے معاوضہ میں خرید لیتے ہیں کہ اُن کے لئے جنّت ہے ۔ وہ راہِ خدا میں لڑتے ہیں ۔ پس وہ قتل کریں گے بھی اور قتل کئے بھی جائیں گے ۔ اسی پر سچّا وعدہ توراۃ میں اور انجیل میں اور قرآن میں موجود ہے ۔

پس وہ اگر ———— ہوتے تو رسولؐ ہرگز اُن کے جنگ کرنے سے مانع نہ ہوتے ۔ پس حضورؐ کا اُن کے لئے اس فیض سے مانع ہونا ان جاہلوں کے اس دعویٰ کی عدم صداقت کی دلیل ہے ۔

پس نتیجتاً واضح ہوا کہ اُن کا خیمے میں بیٹھنا فضیلت کی بجائے اُن کیلئے باعثِ ضرر اور موجبِ نقص تھا ۔

مناظرہ

(۳۵)

شیخ طبرسیؒ نے احتجاج میں حضرت عمرؓ اور شیخ مفیدؒ کا ایک مناظرہ نقل کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:-

شیخ مفیدؒ کا کہنا ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا" کہ میں کہیں جا رہا ہوں۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک جگہ کافی لوگ حلقہ بنائے بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں نے جا کر اُن سے وجہ اجتماع پوچھی تو اُنہوں نے بتایا کہ یہاں ایک شخص قصّہ بیان کر رہا ہے میں نے اُس کا نام پوچھا تو اُنہوں نے حضرت عمرؓ بتلایا۔"

میں بھی اُس حلقہ میں جا شامل ہوا، اور اس بزرگ کی باتیں سننے لگا لیکن میرے پلے کچھ نہ پڑا۔

آخر میں نے قطع کلامی کرتے ہوئے سوال کیا کہ آیت غار تیرے ساتھی حضرت ابوبکرؓ کی فضیلت پر کیسے دال ہے

تو اُنہوں نے اس کی چھ دلیلیں بتلائیں جن میں سے پہلی یہ ہے:-

حضرت عمرؓ۔ اوّل تو یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں باہم ذکر کیا اور

اُسے ثانی اثنین یعنی دو میں کا دوسرا قرار دیا۔

شیخ مفید:۔ عدد کا جمع ہونا کوئی مزیت اور فضیلت نہیں۔ کیونکہ اثنان کا لفظ مومن و غیر مومن ہر دو کیلئے بولا جا سکتا ہے۔

حضرت عمرؓ:۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بموجب اذھما فی الغار ایک مکان میں ذکر فرمایا۔

شیخ مفید:۔ محض مکان میں جمع ہونا بھی کوئی فضیلت کی بات نہیں۔ کیونکہ مسجد نبویؐ میں مومن منافق ہر دو اکٹھے ہوتے تھے۔

حضرت عمرؓ:۔ اللہ تعالیٰ نے لصاحبہ کہہ کر اُسے پیغمبرؐ کا ساتھی فرمایا۔

شیخ مفید:۔ صحبت کا لفظ بموجب آیہ:۔ قال لصاحبہ وھو یحاورہٗ اکفرت بالذی خلقک من تراب (سورۂ کہف آیت ۳۷) مومن و کافر دونوں کیلئے استعمال ہوا ہے۔

حضرت عمرؓ:۔ لاتحزن کی آیت شفقت پر دلالت کرتی ہے۔

شیخ مفید:۔ لاتحزن نہی ہے پس اگر اُس کا حُزن طاعت ہوتا تو اُسے حضورؐ نے منع کیوں فرمایا۔ اگر معصیت تھا

تو پھر قرآن اس کی معصیت پر شاہد ہے۔

حضرت عمرؓ:۔ اِنّ اللّٰہ معنا کی لفظیں بتا رہی ہیں کہ خدا اُن دونوں کے ساتھ تھا۔

شیخ مفید:۔ اوّل تو حضورؐ نے جمع بول کر واحد کو یوں مُراد لیا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے آیہ انّا نحن نزّلنا الذّکر و انا لہٗ لحافظون میں جمع بول کر خود کو واحد مُراد لیا ہے۔

دوم:۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت ابوبکر کا حُزن اس وقت حضرت علیؑ کے لئے تھا۔ چنانچہ اس صورت میں حضورؐ نے یہ کہہ کر اُسے تسلّی دی کہ حُزن کی ضرورت نہیں کیونکہ اللہ مجھ اور علیؑ کے ساتھ ہے۔

حضرت عمرؓ:۔ سکینۃ (تسلّی) حضرت ابوبکر پہ نازل ہوا تھا کیونکہ پیغمبرِ خداؐ سے سکینۃ کبھی جُدا ہی نہیں ہوا۔

شیخ مفید:۔ آپ کا یہ قول کہ سکینۃ تیرے ساتھی پر نازل ہوا خلاف ظاہر ہے۔ کیونکہ سکینۃ اُس پہ نازل ہوا ہے جس کی تائید جنود سے ہوئی۔

چنانچہ قرآن اس پہ شاہد ہے کہ اس کی تائید اُن لشکروں

سے کی جسے تم لوگوں نے نہیں دیکھا۔
اگر حضرت ابُوبکر صاحب سکینۃ ہوتے تو اُسے صاحب جنود بھی ہونا چاہیئے تھا تو اس صورت میں حضور صلعم نبی بھی نہ رہتے۔
اگر اپنے صاحب کے لیئے آپ یہ دلیل نہ دیتے تو بہتر تھا کیونکہ قرآن میں دو مقام ایسے ہیں جہاں اللہ تعالٰی نے اپنے حبیبؐ پر سکینہ نازل فرمایا۔
ایک مقام پر سکینہ میں مومنین بھی رسولؐ کے ساتھ شریک ہیں۔
جیسا کہ ارشادِ ربّ العزّت ہے :۔

آیت ۲۶
فانزل اللہ سکینتہٗ علیٰ رسولہٖ وعلی المؤمنین (سورۃ فتح)
ترجمہ :۔ خدا نے اپنے رسولؐ اور مومنین (کے دلوں) پر تسکین نازل فرمائی۔
دوسرے مقام پہ ربّ العزّت نے فرمایا:۔
فانزل اللہ سکینتہٗ علیہ و ایّدہٗ بجنودٍ لّم تروھا۔ الخ سورۂ توبہ۔ آیت ۴۰
ترجمہ :۔ سو اللہ تعالٰی نے آپ (کے قلب) پر اپنی

تسلّی نازل فرمائی اور آپ کو ایسے لشکروں سے قوّت دی جن کو تم نے نہیں دیکھا۔

یہ مقام بلا شرکت غیر صرف اور صرف آنحضرت صلعم کے ساتھ خاص ہے۔ یہاں سکینتہ علیہ کی لفظیں شاہد ہیں کہ اُن کے پاس کوئی ———— ہوتا تو ضرور سکینتہ میں شریک ہوتا جس طرح کہ آیۂ مذکورۂ الصدر میں مومن شامل ہیں۔ پس اُن کا سکینتہ سے خروج ———— سے خروج پہ دلالت کرتا ہے۔

چونکہ اس آیت میں اَیدہٗ کی ضمیر رسُولؐ کی طرف پلٹتی ہے پس چاہیئے کہ سکینتہٗ کی ضمیر بھی انہی کی طرف راجع ہو نہیں تو انتشار ضمائر لازم آئے گا۔

انہی الفاظ پہ مناظرہ ختم اور مجمع منتشر ہوا۔

اہ احتجاج طبرسی صـ ۲۵۹ چھاپ قدیم
قصص العلماء صـ ۲۰۴

مُناظرہ

(۳۶)

ایک دن شیخ مفید شریف ابی الحسن احمد بن اسحٰق علوی کے ہاں تشریف فرما تھے جہاں اور مذاہب کے لوگ بھی موجود تھے۔

ایک معتزلی نے شیخ مفید کو مخاطب کر کے کہا کہ آپ کے پاس اسکی کیا دلیل ہے کہ حضرت علیؑ تمام صحابہ سے افضل ہیں۔

آپ نے فرمایا کہ ہمارے پاس دلیل حدیث رسالتمآبؐ ہے جیسا کہ حضور صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم فرماتے ہیں:۔ اللّٰھمّ ائتنی باحب خلقك الیك یاکل معی من ھذا الطیر[1] یعنی خداوندا میرے پاس اس شخص کو بھیج جو تجھے اپنی مخلوق میں بہت پیارا ہو، تاکہ میرے ساتھ یہ بھنا ہوا مُرغ کھائے۔

حضور صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اس دُعا کے بعد حضرت علی علیہ السّلام تشریف لائے اور اُنھوں نے آپ کے ساتھ وہ مُرغ تناول فرمایا۔

---

[1] ترمذی شریف ج ۲ ص ۲۱۳ چھاپ جدید۔ مشکوٰۃ شریف ص ۵۶۴ مطبوعہ کراچی

اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضرت علی علیہ السلام سے زیادہ کوئی محبوب نہیں ، اس لیے کہ وہ عبادت کے لحاظ سے سب سے زیادہ عابد اور عمل کے لحاظ سے سب سے زیادہ اشرف تھے اور یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے علاوہ لوگوں پر فضیلت علیؑ کی قوی دلیل ہے۔

معتزلی:۔ آپکے پاس اس حدیث کی صحت کی کیا دلیل ہے اس صورت میں جبکہ اس کا راوی انس بن مالک ہے اور یہ خبر احاد میں سے ہے جو موجب یقین نہیں ہوتی۔

شیخ مفید:۔ ہر چند کہ یہ خبر واحد ہے لیکن اسے تمام امت نے قبول کیا ہے اس میں کسی نے بھی انس کی رد نہیں کی اور اس کی صحت کا انکار نہیں کیا۔ پس یہ اجتماعی مسئلہ ہے جو حجت ہے

دوم:۔ یہ کہ یہ متواتر ہے حضرت علیؑ نے اس سے مجلس شوریٰ میں احتجاج کیا۔ اور فرمایا کہ میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے دعا فرمائی کہ اے اللہ پہنچا اسے جو مخلوق میں تیرا محبوب ترین ہو تاکہ میرے ساتھ یہ بھنا ہوا پرندہ کھائے ۔ آیا اس وقت میں آیا تھا یا کوئی اور۔ تو سب لوگوں نے کہا کہ خدا شاہد ہے کہ

بجز آپ کے اور کوئی نہیں آیا۔
مولا نے فرمایا خدایا! گواہ رہ۔[1]

پس یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حضرت علی علیہ السّلام نے تنازعہ کے وقت اپنے فضائل کے اثبات میں امامت و خلافتِ پیغمبرؐ کے لئے غلط بات کو بطور احتجاج پیش کیا ہو۔

حاشا و کلّا اگر ذرّہ بھر بھی احتمال ہوتا تو وہ آپ کی تردید ضرور کرتے۔

اور آپ کے دوسرے احتجاجات میں حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا یہ فرمان بھی ملتا ہے:۔

علی مع الحقّ والحقّ مع علی یدور حیث ما دار۔

یعنی علیؑ حق کے ساتھ ہے اور حق علیؑ کے ساتھ ہے وہ جو بھی کام کریں وہ حق ہوتا ہے۔

جب بات یہاں تک پہنچی تو ایک جبریہ نے اعتراض کیا کہ شیعوں کا انس بن مالک کے قول سے احتجاج کرنا تعجب خیز ہے۔ کیونکہ شیعہ اسے فاسق بلکہ کافر تک سمجھتے ہیں۔ کیونکہ

---

[1] احتجاج طبرسی ج ۱ ص ۱۷۳ مطبوعہ نجف۔

اُس نے نصِّ امیر المؤمنینؑ پر گواہی نہیں دی بلکہ اُسے چھپایا۔

امیر المؤمنینؑ نے اُسے نفرین کی کہ وہ ایسی بلا میں مبتلا ہو جسے لوگ دیکھ پائیں۔

چنانچہ وہ اُن ایّام کہولت ہی میں مبروص ہوا، اور اسی ہی مرض سے مرا۔[1]

معتزلی نے اُس (جبریّہ) کو جواب دیا کہ تیرا یہ کہنا درست نہیں اس لئے کہ وہ یعنی شیخ مفید روایت سے نہیں بلکہ اجماع سے استدلال کرتے ہیں۔ لہٰذا تیرے اس اعتراض کی کوئی حقیقت نہیں۔

اس وقت وہ معتزلی شیخ مفید کی طرف متوجّہ ہو کر کہنے لگا کہ ہم اس حدیث کو تسلیم کرتے ہیں لیکن یہ تیرے ادعاء یعنی فضیلت پہ دلالت نہیں کرتی۔

بلکہ پیغمبر صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے دُعا فرمائی کہ خدایا! پہنچا میرے پاس محبوب ترین مخلوق اس مُرغ کے کھانے میں نہ یہ کہ وہ اعمال کی وجہ سے فی نفسہٖ محبوب ترین خلق ہو اس لئے کہ ممکن ہے پیغمبرؐ کے ساتھ کھانے میں اس کی محبوبیت کی کوئی

---

[1] شواہد النبوۃ ص۱۶۸ مطبوعہ نولکشور۔

مصلحت ہو۔

شیخ مفید: یہ بات غلط ہے۔

اسلئے کہ میرے نزدیک میل طبعی اور نفسانی کی محبوبیت محال ہے۔ بلکہ خدا کے نزدیک محبوبیت عمل اور اس کا ثواب ہے چنانچہ مبغوضیت معصیت اور موجب عقاب ہے۔ پس خدا کے نزدیک محبوبیت نہیں مگر ثواب و عقاب۔

دوم: تیرا یہ کہنا ظاہر عبارت کے خلاف ہے۔ عبارت سے ظاہر تو وہ معنی ہے جو میں نے تجھے بتا دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا:۔

اللّٰھمّ ائتنی باحب خلقك الیك یاکل معی۔

کہ اے اللہ بھیج اسے جو مخلوق میں تیرے نزدیک محبوب ہو یہ کلام تام ہے۔ اس کے بعد فرمایا یاکل معی یہ کلام مستأنف ہے یعنی یہاں سے نئی بات شروع ہے۔ کیونکہ پہلا جملہ دوسرے کا محتاج نہیں۔ پس تیرے معنی کے مطابق چاہیئے تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم یہ فرماتے:۔

اللّٰھمّ ائتنی باحبّ الخلق فی الاکل معی۔ کہ اے اللہ مجھے میرے ساتھ کھانے میں پسندیدہ مخلوق کو۔

وہ معتزلی سوچ میں پڑ گیا کہ اب میں مزید کیا اعتراض کروں۔
اُس نے کہا ہمیں اس پر اعتراض نہیں کہ حضرت علیؑ
اُس وقت سب لوگوں سے زیادہ محبوب خدا تھے لیکن ممکن
ہے کہ بعد میں ایسے لوگ پائے جائیں جو عند اللہ علیؑ سے
بہتر اور محبوب تر ہوں۔

شیخ مفیدؒ۔ تیری یہ بات پچھلی باتوں سے بھی گئی گذری ہے
جس کا جواب واضح ہے۔

اس لیے کہ کیا کسی اور نے ایسا کام کیا ہے جس کی وجہ
سے اُسے حضرت علیؑ پر فضیلت حاصل ہو۔

اصل بات یہ ہے کہ ایک گروہ مثلاً زیدیہ معتزلہ کا اور
ایک گروہ اصحاب حدیث کا قائل ہے کہ علیؑ زمانۂ رسالتمآب
صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم میں سب سے افضل تھے۔ اور فضیلت میں
کوئی بھی آپؑ کا ہمسر نہ تھا۔

اور بعض کہتے ہیں کہ ہم پر بالیقین یہ واضح نہیں ہوا کہ
حضرت علیؑ تمام صحابہ سے افضل ہیں کہ ہم خدا کے ہاں شہادت
دے سکیں۔ نیز یہ بھی ظاہر نہیں کہ ان پر کسی کو فضیلت حاصل ہو
اس کا قائل معتزلہ کا ایک گروہ جن میں ابو علی ابو نعیم اور اُس کے

تابعین شامل ہیں۔

بعض قائل مثلاً مرجئہ اور ایک طائفہ اصحاب حدیث کا بھی اس کا قائل ہے کہ حضرت ابوبکر زمانہ پیغمبر میں بھی افضل تھے اور اُن کے بعد بھی۔

بعض کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ نصبِ حکمین کے قضیہ میں فضیلت سے خارج ہو گئے ہیں۔ اس کے قائل خوارج ہیں، اور ایک گروہ معتزلہ کا بھی جن میں اصم اور جاحظ شامل ہیں۔

یہ ہے اختلافِ اقوال۔

باقی اس بات کا تو کوئی بھی قائل نہیں کہ زمانہ پیغمبر میں حضرت علیؑ افضل تھے۔

لیکن بعد میں کوئی ایسا آدمی بھی آیا جو اُن سے افضل تھا۔ پس تیرے قول کے خلاف اجماع قائم ہے اور اجماع حجّت ہے۔

نیز شیخ مفید نے کہا کہ علاوہ ازیں محبّت نا اُو نوش کے قائلین کے لئے ایک اور بات بھی ہے اور وہ یہ کہ اس روایت کا راوی انس بن مالک کہتا ہے کہ جب پیغمبر صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دُعا مانگی کہ خداوندا اس شخص کو بھیج جو تیرے نزدیک محبوب ہو۔ تاکہ یہ بھُنا ہُوا پرندہ کھانے میں نے چاہا

کہ خدا انصاریں سے کسی کو محبوب ترین خلق قرار دے۔ تاکہ مجھے بھی یہ فضیلت حاصل ہو۔ ناگاہ حضرت علیؑ تشریف لائے، چاہا کہ رسالتمآب صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور جائیں میں نے اُنہیں یہ کہہ کر لوٹا یا کہ رسالتمآب صلّی اللہ علیہ وسلّم ابھی مصروف ہیں دوسری دفعہ جب تشریف لائے تب بھی میں نے ایسا ہی کہا۔ تیسری مرتبہ جب حضرت علیؑ آئے تو میں نے حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مطلع کیا، اجازت ملی۔ حضرت علی علیہ السّلام داخل ہوئے۔ پیغمبر صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا کہ میں نے دو مرتبہ دُعا مانگی۔ اگر نہ آتے تو تیسری بار خدا کو قسم دے کر دعا مانگتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ انس بن مالک نے دُعائے رسُولؐ سے خدا کے نزدیک محبُوب ترین فضیلتِ ثواب کے لحاظ سے سمجھا تھا۔ اس وجہ سے اس نے آرزو کی کہ کوئی ان کے خاندان سے ہوتا کہ اُسے فضیلت حاصل ہو۔

دوم :۔ یہ کہ اگر امیر المؤمنین علیہ السلام کے بعد کسی کے افضل ہونے کا احتمال ہوتا تو امیر المؤمنین مجلس شوریٰ میں اپنی فضیلت پر اس سے احتجاج نہ فرماتے اور منتخبینِ مجلس

شوریٰ سے اپنی افضلیت پر گواہ طلب نہ فرماتے اور اگر وہ اس قسم کا احتمال رکھتے تو حضرت علیؑ کی اس بات میں رَدّ فرماتے پس شوریٰ میں اس احتجاج و تصدیق سے امیر المؤمنینؑ کی تمام مخلوقات پر فضیلت ثابت ہوئی کہ فضیلت میں اُن جیسے خدا کے نزدیک کوئی آیا اور نہ ہی آئے گا۔

مُناظرہ

(۳۷)

فضل ابنِ شاذان نیشاپوری سے سوال کیا کہ علی ابنِ ابی طالب کی امامت پر کیا دلیل ہے؟

تو انھوں نے جواب میں کہا کہ ہماری دلیل کتاب خدا، سنّتِ رسولؐ اور اجماعِ مسلمین ہے۔

(۱) کتاب خُدا:-

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

اطیعوا اللہ و اطیعوا الرّسول و اولی الامر منکم[۱]

اللہ تعالیٰ نے ہمیں اطاعتِ خدا، اطاعتِ رسولؐ اور والیانِ امر کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔

---

[۱] مفسرین نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ اولی الامر سے مراد کون ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس سے مراد حاکم وقت ہے۔ مگر حق یہ ہے کہ اس سے مراد آئمہ معصومین ہیں۔ کیونکہ خدا نے جس طرح اپنی اور رسول کی اطاعت کا حکم دیا ہے اسی طرح ان کی اطاعت بھی تمام بندوں پر واجب کی ہے تو یہ شخص خدا و رسولؐ کا نائب ٹھہرا تو معصوم ہونا بھی ضروری ٹھہرا۔ کیونکہ

(باقی اگلے صفحہ پر دیکھیے)

(بقیہ صفحہ گذشتہ) اس کو عقل قبول نہیں کرتی کہ گنہگار کی اطاعت کا حکم خدا دے اور بارہ اماموں کے سوا کسی کی عصمت کا نہ کوئی شخص مدعی ہے نہ دعویٰ ہو سکتا ہے اس کے علاوہ یہ تو ظاہر ہے کہ یہ خداوند عالم کا کسی زمانے یا وقت یا کسی شخص کے واسطے نہیں ہے بلکہ ہر وقت کے واسطے قیامت تک کے لئے ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اطاعت بھی عام ہے اُمورِ دُنیا اور دین کی تخصیص نہیں ہے بلکہ عام اطاعت۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اگر اولی الامر سے مراد دُنیا کے بادشاہ ہوں تو مذہب اسلام کا کوئی ٹھکانہ نہ رہے گا۔ کیونکہ کہیں نصاریٰ بادشاہ ہیں، کہیں بُدھ مذہب والے، کہیں کفار اور اگر مسلمان ہی مقصود ہوں تو پھر ان میں بھی خدا جانے کتنے فرقے ہیں۔ اور حدیث رسولؐ کے مطابق ایک کے سوا سب کے سب جہنمی ہیں۔ پھر کہیں سُنّی بادشاہ کہیں شیعہ کہیں کچھ۔ پھر کہیں مسلمان اطاعت کریں تو کس کی، اور سب کی کریں تو یہ بھی محال ہے۔

تب ضرور ہے کہ دنیا کے بادشاہوں کے علاوہ کوئی اور شخص مراد ہو اور اس شخص کو موجود بھی رہنا ضروری ہے ورنہ خدا کا حکم لغو اور بیکار ہو جائے گا اسی بنا پر حضرتِ رسولؐ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے زمانے کے امام کی معرفت حاصل کئے بغیر مر جائے تو وہ کافر کی موت مرتا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ بادشاہِ دُنیا کی معرفت حاصل نہ کرنے سے کوئی شخص کافر نہیں ہو سکتا۔ اور حدیث جابر بن عبداللہ انصاری میں بھی اس کی تصریح موجود ہے کہ اولی الامر سے مراد ائمہ معصومینؑ ہیں بلکہ اس میں تو دوازدہ امام کے نام تک تصریحاً مذکور ہیں۔

(دیکھو ترجمہ فرمان علی صفحہ ۱۱۹ حاشیہ ۱ چھاپ جدید

پس ہم اُولی الامر کی معرفت کے محتاج ہوں گے چونکہ ہم خدا و رسولؐ کی شناسائی سے بھی لاچار ہیں۔ لہٰذا ہم نے اقوالِ اُمّت پر نظر ڈالی جنہوں نے اولی الامر کے بارے اختلاف کیا۔

بعض نے کہا کہ اولی الامر سے مُراد امراء اور سرداران لشکر ہیں۔

بعض نے کہا کہ اس سے مُراد علماء ہیں۔

بعض نے کہا کہ اس سے مراد وہ حاکم اور بزرگ ہیں جو نیکی کا حکم دینے اور بُرائی سے روکتے ہیں۔

بعض نے کہا کہ اُولی الامر سے مُراد امیر المومنین علی علیہ السّلام اور اس کی ذرّیت سے امام ہیں۔

پس ہم نے نگاہ دَوڑائی تو ہمیں ان سب اقوال کی مصداق شخصیّت اولی الامر جناب علیؑ ابن ابی طالب نظر آئی۔

اگر اس سے مرادِ سردارانِ لشکر ہوں تو کیا حضرت علیؑ لشکرِ پیغمبرؐ کے سرداروں میں سے نہ تھے۔

اگر کہو اس سے مُراد ایسے بزرگ ہیں جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہیں۔ تو کیا حضرت علی علیہ السّلام ایسے بزرگ

نہ تھے جو لوگوں کو امرِ خیر کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے رہتے تھے۔

پس ان تمام اقوال کی مصداق حضرت علی علیہ السلام کی ذات والاصفات ہی ہے لہٰذا اُن کی اطاعت اللہ تعالیٰ نے واجب فرمائی۔

پس حضرت علی علیہ السّلام کی امامت مجمع علیہ ہے۔

جب امامت علی ابن ابی طالب پر سب جمع ہیں تو ہم اُسے لیتے ہیں۔ اور غیر کی امامت چونکہ مختلف فیہ ہے یعنی اس میں لوگوں کا آپس میں اختلاف ہے لہٰذا اُسے ردّ کرتے ہیں۔

رہی سُنّت ، رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اُنہیں یمن کا امرِ قضاوت سپرد فرمایا۔

نیز حضرت علی علیہ السّلام کو اموال کا متولّی بنایا کہ وُہ اُسے بنی جذیمہ کے ان مقتولوں کی دیت میں دے آئے جنہیں خالد بن ولید نے ظلم و عدوان سے ناحق قتل کیا تھا۔ نیز پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورہ براٗت کی تبلیغ کے لئے اُنہیں مقرر فرمایا۔

غزوۂ تبوک جاتے وقت اُنہیں اپنا خلیفہ بنایا۔

ہمیں تو کوئی اور ایسا نہیں ملتا جنہیں رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان صفتوں اور سنتوں کے ساتھ خاص فرمایا ہو۔

لوگ چونکہ امام کے محتاج ہیں پس امامت حضرت علی علیہ السّلام کے ساتھ خاص ہے اُن کے غیر سے نہیں۔ رہا اجماع سو وہ کئی وجہوں سے ثابت ہے۔

اوّل: مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ علیؑ امام ہیں لیکن اکثر کے نزدیک اختلاف اس میں ہے کہ پیغمبر صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد ہمیشہ کے لئے امام ہوتا ہے۔ بعض نے کہا کہ کچھ زمانہ کیلئے یعنی خلفائے ثلاثہؓ کے بعد۔

لیکن اس کے علی الرغم حضرت ابوبکر کے بارے میں ہے کہ وہ کچھ زمانہ امام رہے ہے۔ اور اکثر نے کہا کہ وہ کسی زمانے میں بھی امام نہ تھے۔ پس حضرت علیؑ کی امامت پر اجماع قائم ہے۔

دوم: مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت علیؑ امامت کی صلاحیت رکھتے ہیں لیکن غیر علیؑ کے لئے اُن میں اختلاف ہے بعض نے کہا کہ حضرت علی علیہ السّلام کے سوا کسی میں امامت کی صلاحیت نہ تھی۔ بعض نے کہا کہ صلاحیت تھی۔ پس جس پر

اجماع ہے۔

اس میں شبہ نہیں اور جو موردِ اختلاف ہے وہ حجیت نہیں رکھتا لہٰذا اسے رد کرتے ہیں۔

سوم:۔ امت کا اس پر اجماع ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت علیؑ عادل تھے اور ولایت کے لئے سزاوار تھے۔ لیکن ان کی عصمت میں اختلاف ہے۔ ایک گروہ قائل ہے کہ وہ معصوم تھے۔ ایک طائفہ نے کہا کہ وہ معصوم نہیں مگر عادل تھے۔ نیکوکار اور پرہیزگار تھے۔ پس ان کی عدالت پر امت کا اجماع ہے اور ان کی عصمت میں اختلاف بخلاف حضرت ابوبکر کے کہ ان کے معصوم نہ ہونے پر امت کا اجماع قائم ہے اور ان کی عدالت میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ عادل تھے اکثر نے کہا کہ عادل نہ تھے اس لئے کہ انہوں نے وہ چیز لی جو ان کا حق نہ تھا۔

پس وہ شخص جسکی عدالت پہ لوگوں نے اجماع کیا اور عصمت میں اختلاف اس سے اولیٰ ہے جس سے عصمت کی نفی پہ لوگوں نے اجماع کیا اور جس کی عدالت میں اختلاف کیا۔ پس نتیجتاً حضرت علی علیہ السلام کی امامت ہر لحاظ سے ثابت ہے اور غیر کی امامت مشکوک۔ بحارالانوار ج ۱۰۰ ص ۳۷

مناظرہ

۳۸

ابو ہذیل علاف جو اہلِ سُنّت کے ایک اہلِ علم اور دانشمند آدمی تھے نے کہا "کہ میں رقہ جو بغداد کے قریب دجلہ کے کنارے ایک جگہ کا نام ہے وارد ہوا۔ تو مجھے بتلایا گیا کہ یہاں ایک دیوانہ آدمی رہتا ہے جو بڑا خوش بیان اور سخنور ہے۔ پس میں اُس کا پتہ لیکر اُس کے پاس گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ وہ ایک بوڑھا مگر خوبصورت اور حسین آدمی ہے جو تخت پر بیٹھا اپنے گیسو شانہ کر رہا ہے۔ میں نے اُسے سلام کیا۔

اُنہوں نے جوابِ سلام دیا اور پوچھا ممّن الرّجل؟ کہ یہ شخص کون ہے۔

میں نے جواب دیا کہ میں عراقی ہوں۔

اس نے کہا عراق میں کونسی جگہ کا باشندہ ہے۔

میں نے کہا بصرہ کا۔

کہا، ہاں! بصرہ والے صاحبِ علم و تجربہ ہیں۔

تو ان میں کون ہے۔
میں نے کہا کہ مجھے ابو ہذیل علاف کہتے ہیں۔
اس نے کہا وہی جو متکلم ہے۔
میں نے کہا جی ہاں
اس وقت اس نے اُٹھ کر مجھے اپنی مسند پر بٹھا لیا۔
ابتدائی (رسمی گفتگو) کے بعد اس نے کہا من تقدمون بعد النبیؐ۔ کہ تم رسولِ خداؐ کے بعد کس کو مقدم کرتے ہو۔
میں نے کہا جس کو رسولؐ نے مقدم کیا۔
کہا وہ کون ہے؟
میں نے کہا حضرت ابوبکر
اس نے کہا حضرت ابوبکر کو تم کس لئے مقدم سمجھتے ہو۔
میں نے کہا اس لئے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا قدِّموا خیرکم وولّوا فضلکم۔ کہ تم اپنے میں سے بہتر اور افضل کو اپنا والی بناؤ۔
اس نے کہا اے ابا ہذیل مجھے اس میں کلام ہے۔

کیونکہ حضرت ابوبکر نے بر سرِ منبر کہا ولّیتکم ولست بخیر کم۔ کہ میں تم پر والی ہوا ہوں حالانکہ تم سے بہتر نہیں ہوں۔ پس اگر تم نے اس پر تہمت جوڑی تو امر رسولؐ کے خلاف کیا۔

اگر اس نے خلاف واقع کیا تو دروغ گو ہوا، اور دروغ گو کے لئے یہ کیسے روا ہے کہ اسے منبر نبیؐ پر لایا جائے اور جانشینِ پیغمبرؐ بنایا جائے۔ رہا تمہارا یہ کہنا کہ لوگ اس پر راضی اور متفق ہو گئے درست نہیں۔ اس لئے کہ اکثر انصار نے کہا منّا امیر و منکم امیر کہ ایک والی ہم میں سے ہو اور ایک تم میں سے۔

پس انصار کی اکثریت ان کی خلافت پر راضی نہ تھی۔

رہے مہاجر سو ان میں سے زبیر نے کہا لا ابایع الّا علیاً کہ میں علیؑ کے سوا کسی کی بیعت نہیں کروں گا۔ یہ کہہ کر اس نے تلوار نکالی جسے چھین کر توڑا گیا۔

پھر ابوسفیان بن حرب نے آکر کہا اے ابوالحسنؑ اگر چاہے تو تیری مدد کے لئے مدینہ کو سواروں اور پیادوں سے پُر کردوں۔

سلمان باہر آئے اور (فارسی میں) کہنے لگے" کرد یدو نکردید وندانید کہ چہ کردید" کہ تم نے کیا پر کچھ نہ کیا۔ تمہیں خبر نہیں کہ تم نے کیا کیا۔

نیز ابوذر اور مقداد نے بھی بیعت ابو بکر سے اعراض کیا۔

خلاصہ یہ کہ خلافت ابو بکر پر مہاجر و انصار کی کثیر تعداد مخالف تھی۔

اے ابو ہذیل تم جانتے ہو کہ ابو بکر نے منبر پر چڑھ کر

ان لی شیطانا یعترینی فاذا رایتمونی مغضبًا فاحذرونی لا اقع فی اشعارکم و ابشارکم[۱]۔

یعنی مجھ پر ایک شیطان مسلّط ہے۔ جب مجھے غضبناک دیکھو تو ڈرو تاکہ مجھ سے تمہیں کہیں اذیّت نہ پہنچے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ مجنون تھے۔ بنابریں یہ کہاں جائز ہے کہ ایک دیوانے کو والی بنایا جائے۔

اس وقت اس نے کہا اے ابو ہذیل! حضرت عمرؓ کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں جنہوں نے منبر پر جاکر کہا

۱؎ تاریخ الخلفاء ص ط۔ کراچی

وددت ان اکون شعرۃ فی صدر ابی بکر۔
کہ کیا ہی اچھا ہوتا کہ میں ابوبکر کے سینے کا بال ہوتا۔

اور ایک جمعہ کے دن یہ کہا انّ بیعتہ ابی بکر کانت فلتتہ وقی اللہ شرّھا فمن دعاکم الی مثلھا فاقتلوہ[1]۔ کہ بیعتِ ابوبکر ناگہانی ہوئی جس کے شر سے اللہ تعالیٰ نے اس وقت بچا لیا۔ کوئی ایسا کرے تو اُسے قتل کر دو۔

اب دیکھو ایک طرف تو حضرت ابوبکر کے سینے کے بال ہونے کی تمنّا کرتا ہے تو دوسری طرف اس جیسے کے ہاتھ بیعت کرنے والے کو واجب القتل بتلاتا ہے۔ نیز تم یہ بھی کہتے ہو کہ پیغمبرؐ نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا۔ مگر حضرت ابوبکر نے عمر کو بنایا۔ مگر حضرت عمر نے اس کے علی الرغم اس کام کو شوریٰ کمیٹی پہ چھوڑا۔ یہ تناقض کیسا۔

معلوم ہوتا ہے تمہارے سب کام اسی طرح ایک دُوسرے کے خلاف ہوتے ہیں۔ آپ الجہ یذیل حضرت عمرؓ نے چھ افراد شوریٰ کمیٹی کے لئے نامزد کئے اور کہا یہ سب

---

[1] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید صفحہ ۱۲۴/۱ تاریخ الخلفاء صفحہ ۵۶ ط کراچی

اہلِ جنت سے ہیں۔ پھر امر کیا کہ اگر چار افراد ایک طرف ہوں اور دو مخالف ہو جائیں تو ان دو کو قتل کیا جائے۔ اگر تین آدمی متفق ہوں جن کے درمیان عبد الرحمٰن بن عوف ہوں اور تین دوسرے مخالف ہو جائیں تو ان تینوں کو قتل کرو۔ یہ کہاں کی دیانت ہے کہ اہلِ بہشت کے بارے قتل کا حکم دیا جائے۔

نیز جب حضرت عمر کو ضرب لگی تو ابنِ عباس اُن کے پاس آئے دیکھا تو جزع کر رہے ہیں۔

پوچھا اے امیر المومنین یہ جزع کس لئے ہے۔

کہا اے ابنِ عباس! یہ جزع اس زخم کی وجہ سے نہیں بلکہ میری جزع تو اس لئے ہے کہ امرِ خلافت کے لئے اپنے بعد کس کو مقرر کروں۔

میں نے کہا ابنِ عبد اللہ کو

تو اس نے کہا وہ سخت آدمی ہے میں امرِ خلافت کو سخت آدمی کے سپرد نہیں کرنا چاہتا۔

پھر میں نے کہا زبیر بن عوام کو خلیفہ بنائیں۔

کہا وہ بال برابر چیز اپنی عورت کو دینے میں کنجوسی کرتا ہے۔ میں مسلمانوں کے امر کو ایسے بخیل کے سپرد کیوں

کردوں۔

میں نے کہا سعد بن وقاص کو خلیفہ بنائیں۔

تو انہوں نے کہا کہ وہ مردِ کارزار ہے۔ یعنی بلا کا شمشیر زن اور تیر انداز ہے لیکن خلافت کا اہل نہیں۔

میں نے کہا عبدالرحمن بن عوف کو خلیفہ بنائیں۔

تو انہوں نے کہا جو اپنے امورِ خانہ کی اصلاح نہیں کر پاتا وہ امّت کا والی کیسے ہو سکتا ہے۔

میں نے کہا اپنے بیٹے عبداللہ کو بنانا۔

اس وقت اٹھ کر بیٹھ گئے اور کہا اے ابنِ عباس بخدا میں اسے ہرگز نہیں بناؤں گا۔ اسے خلافت سے کیا واسطہ جو اپنی بیوی کو طلاق نہ دے سکے۔

میں نے کہا عثمان بن عفّان کو مقرر کریں۔

کہا خدا کی قسم اگر اسے مسلمانوں کا والی بناؤں تو آلِ ابی معیط کو مسلمانوں کی گردنوں پر سوار کر دے گا اور خدا کا مال اُن کے درمیان بانٹے گا۔ چنانچہ ایسی صورت میں لوگ اس کے خلاف اٹھ کر اسے قتل کر دیں گے۔ یہ بات انہوں نے تین بار دہرائی۔

میں نے علیؑ کا نام نہ لیا بلکہ سکوت اختیار کیا کیونکہ مجھے اُن کے مابین پرخاش کا علم تھا۔

اس وقت کہا اے ابن عباس تو نے اپنے ساتھی علیؑ کا نام کیوں نہ لیا۔

میں نے کہا علیؑ کو معین کر۔

تو کہا خدا کی قسم میری جزع ہی اسی لئے ہے کہ میں نے حق کو صاحبانِ حق سے لیا۔ خدا کی قسم اگر اُسے خلیفہ بناؤں تو لوگوں کو راہِ راست پہ لائے گا اور جو اُن کی پیروی کریگا اہلِ جنّت سے ہوگا۔

یہ کہہ کر خاموش ہو گئے۔

زبان سے تو یہ کہا لیکن افسوس کہ اس نے اس مسئلہ کو چھ آدمیوں کی شوریٰ کمیٹی پر چھوڑ دیا[1]۔

ابو ہذیل نے کہا کہ ابھی وہ یہ باتیں کر ہی رہا تھا کہ اُس کی حالت متغیر ہو گئی اور اس پہ دیوانگی عود کر آئی۔

---

[1] حضرت عمرؓ نے بہت سوچ سمجھ کر چھ افراد کو شوریٰ کمیٹی کیلئے نامزد کیا:۔

۱۔ حضرت علیؑ ۔ ۲۔ حضرت عثمانؓ ۔ ۳۔ طلحہ ۔ ۴۔ زبیر ۔ ۵۔ عبد الرحمٰن بن عوف ۔ ۶۔ سعد بن ابی وقاص ۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر دیکھیں)

علامہ محمد عبدہٗ مصری شارح نہج البلاغہ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن کے چچا زادوں میں سے تھے اور یہ دونوں خاندان بن زہرہ سے تھے جو حضرت علیؑ کے ساتھ اپنے ماموؤں کی طرف سے دل میں کچھ کینہ رکھتے تھے۔ کیونکہ اُن کی والدہ عنتمہ ابوسفیان بن امیہ بن عبدالشمس کی بیٹی تھی اور اُن کے بڑوں کے قتل میں حضرت علیؑ کا جو کچھ ہاتھ ہے وہ مشہور ہے اور عبدالرحمٰن جیسے اہل وخفد کے عظیم آدمیوں میں سے گنا جاتا تھا) حضرت عثمان سے سسرالی رشتہ رکھتا تھا۔ کیونکہ اُس کی زوجہ ام کلثوم دختر عقبہ بن ابی معیط حضرت کی طرف مائل تھے۔ ان مخالف کی وجہ سے جو اُن کے ہاں باہم ہوتے رہتے تھے جیسا کہ بعض مورخین نے ذکر کیا ہے۔ علاوہ ازیں ان کے حضرت عثمان کی طرف مائل ہونے اور حضرت علیؑ سے منحرف ہونے کے لئے اس کا تمیمی ہونا کافی ہے۔ کیونکہ بنی ہاشم اور بنی تمیم کے درمیان خلافت ابوبکر کی وجہ سے رنجشیں تو موجود تھیں ہی سمجھنے یہ ہے اس مجلس شوریٰ کی غیر جانبداری کا حال جو درباب خلافت حضرت علیؑ اور حضرت عثمان کے دعاوی سننے کے لئے بیٹھی تھی جس کے ہاتھوں فریاد کرتے ہوئے مولا نے فرمایا فیاللہ و للشوریٰ (تفسیر خلافت ص۱۶۲)

اس موقعہ پر ابن عباس نے حضرت علیؑ سے کہا کہ یہ امر (خلافت) ہم سے چلا گیا۔ کیونکہ ایک خاص شخص چاہتا ہے کہ یہ امر عثمان کے پاس ہو۔

امیرالمومنین نے فرمایا کہ مجھے اس کا پتہ ہے لیکن میں ان کے ساتھ شوریٰ میں داخل ہوتا ہوں۔ کیونکہ حضرت عمرؓ نے مجھے اب خلافت کے لئے اہل قرار دیا ہے جبکہ قبل ازیں وہ کہتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ان النبوۃ والامامۃ لا یجتمعان فی بیت واحد۔ کہ نبوت و امامت ایک گھر میں جمع نہیں ہو سکتی۔ پس میں اب (شوریٰ میں) اس لئے داخل ہوتا ہوں۔ تاکہ اُس کے قول و فعل کا تضاد لوگوں کو معلوم ہو جائے (شرح ابن ابی الحدید ج۱ ص۶۳ مطبوعہ بیروت)

مجھے بتایا گیا کہ یہ شخص بہت مالدار، صاحب ثروت اور زمیندار تھا۔ لوگوں نے اس کے مال و جائیداد کو دغا و فریب سے چھین لیا۔ اس کے صدمے سے اس کا یہ حال ہوگیا ہے۔

میں نے واپس آکر یہ داستان مامون کو سُنائی تو اُس نے بلوا کر علاج کروایا اور مال و جائیداد اس کو واپس دلوایا۔ جب اچھا ہوا تو اُس نے اپنا ندیم بنا لیا۔ چنانچہ مامون کی شیعیت اُسی کی وجہ سے تھی۔

(احتجاج طبرسی ص ۱۹۸ چاپ قدیم)

مُناظرہ

(۳۹)

ابنِ جوزی سے نے کہ اکابر علماء اہلِ سُنّت سے ہے ایک روز بتقلید امیر المؤمنین اثناء وعظ میں کہا سلونی قبل ان تفقدونی۔ یعنی جس طرح امیر المؤمنین منبر پر فرماتے تھے کہ سوال کرو مجھ سے جو چاہو قبل اس کے کہ مجھ کو نہ پاؤ ایسا ہی اُس نے بغرور اپنے علم و فضل کے یہ دعویٰ کیا۔

ایک عورت اہلِ مجلس سے اُٹھی اور کہا ایّھا العالم کہتے ہیں کہ سلمانِ فارسی نے مدائن میں انتقال کیا اور علی مرتضیٰ مدینہ سے باوجودیکہ ایک ماہ کا راستہ تھا، ایک رات میں وہاں گئے اور اُس کی تجہیز و تکفین فرمائی پھر مدینہ واپس چلے آئے۔ آیا یہ صحیح ہے۔

ابن جوزی نے کہا ہاں ایسا روایت ہوا ہے۔

---

[1] تہذیب المتین ص۴۲ ج۲۔ ط دہلی۔

عورت نے کہا، عثمان مدینہ میں قتل ہوئے، اُن کی لاش تین روز ــــ پر پڑی رہی باوجودیکہ علیؑ مدینہ میں تھے تو اس پہ نہ نماز پڑھی نہ دفن کرایا۔

ابنِ جوزی نے عاجز ہو کر کہا، اے عورت تُو جو اس وقت اپنے گھر سے یہاں آئی ہے تو اپنے شوہر کی اجازت سے آئی ہے یا بلا اجازت آئی ہے۔ اگر تیرے شوہر نے تجھے اس مجمع میں آنے کی اجازت دی تو اس پہ لعنتِ خدا ہے ورنہ تُو قابلِ نفرین و لعنت ہے۔

عورت نے بے تأمل کہا کہ اُمّ المومنین عائشہ کہ جنگِ جمل میں امیر المومنین علیؑ سے لڑنے گئی تھیں باجازت رسُول اللہ گئی تھیں یا بلا اجازت۔

ابن جوزی یہ سُن کر مبہوت و حیران رہ گیا اور کچھ جواب اس کو بن نہ آیا۔

مُناظرہ

(۴۰)

۹۹۰ھ قمری کو عبد اللہ خان ازبک ہرات سے مشہد مقدس آکر قتل عام کا حکم دیا۔ بہت سے ساداتؑ وغیرہ قتل ہوئے۔ ان کے مال غارت گھر برباد، کھیتیاں اُجاڑ اور باغات اُجاڑ دیئے گئے جسے دیکھ کر لوگ چیخ اُٹھے۔

وہاں کے علماء نے لکھا کہ ہم مسلمان ہیں۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھتے ہیں ہمارا قتل روا نہیں تو کیوں اتنے قتل کرتا اور مسلمانوں کے اموال غارت کرتا ہے جبکہ یہاں کی اکثریت سادات اور آلِ رسولؐ پر مشتمل ہے۔

جب یہ خط اُنہیں پہنچا تو ازبکی علماء نے مشہد کے شیعہ علماء کے جواب میں یہ مضمون لکھا کہ کسی مسلمان کو مسلمان کا قتل روا نہیں تاآنکہ اُن سے کلماتِ کفریہ صادر نہ ہوں۔ چونکہ شیعہ شیخین، ذُوالنورین اور رسالتمآب صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی بعض ازواج پہ

لہ منتخب التواریخ ص۹۸۰

سب ولعن کرتے ہیں اس لئے وہ کافر ہیں، اُن کا مارنا واجب اور اُن کا مال حلال ہے۔

اگر زمانے کا حاکم اُن کے قتل سے اعراض کرے تو پیشِ خدا کیا جواب دے گا۔

شیعوں کا کُفر بچند وجہ ثابت ہے:۔

اوّل: حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا گفتار و کردار ہمہ تن وحی ہے جیسا کہ ارشاد ہے:۔

وما ینطق عن الھویٰ اِن ھو الّا وحیٌ یّوحیٰ[1]

(ترجمہ) اور وہ خواہشِ نفسانی سے کچھ نہیں کہتا جو کچھ وہ کہتا ہے وہ نہیں ہے مگر وحی جو اس کی طرف بھیجی جاتی ہے۔

اور احادیث میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ابوبکر وعمر اور عثمان کی بہت مدح کی ہے۔ پس اُن پر لعن کرنا گویا قولِ پیغمبرؐ کو رَدّ کرنے کے مترادف ہے جو مُوجبِ کُفر ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وماکان لمؤمن ولا مؤمنۃ اذا قضی اللہ امراً ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم[2]۔

---

[1] سورۂ نجم آیت ۳
[2] سورۂ احزاب آیت ۳۶

اور نہ کسی مومن مرد کے لئے یہ بات موزوں ہے اور نہ کسی مومن عورت کے لئے کہ جب خدا اور اُس کے رسُولؐ نے ایک بات طے کر دی تو پھر انہیں اپنے اس معاملہ میں کچھ بھی اختیار (باقی) رہے۔

دلیل دوم: حضورؐ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن کی تعظیم فرماتے تھے ان کو ناسزا کہنا کُفر ہے۔

چنانچہ حضوُر صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان تینوں کی تعظیم فرمایا کرتے تھے۔

دلیل سوم: خلفاء ثلاثہ اصحاب پیغمبر تھے۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خدمتگار تھے۔ سالہا اُنھوں نے حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی خدمت اور اُن کے ہمراہ کفّار کے ساتھ جنگ کی۔ لہٰذا وہ استحقاقِ ثواب رکھتے ہیں۔

اور نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

ولقد رضی اللہ عن المؤمنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ [1]

جس وقت مومنین تم سے درخت کے نیچے (لڑنے مرنے) کی بیعت کر رہے تھے تو خدا اُن سے (اس بات پر) ضرور خوش ہوا۔

---

[1] سورۂ فتح آیت ۱۸

اس میں شک نہیں کہ یہ بزرگ اس آیت میں شامل ہیں اور جو شخص رضوانِ خدا میں داخل ہو اُس پر لعنت کرنا کفر ہے۔

دلیلِ چہارم: حضرت علیؓ جو شجاعت و ہمت رکھتے تھے اعلائے کلمۃ الحق کے لئے اُن (ثلاثہ) سے نہیں لڑے جب اور لوگوں نے اُن (ثلاثہ) کی بیعت کی تو انہوں نے بھی بیعت کی۔

دلیل پنجم: ذوالنورین عثمان حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی دامادی اور ازواج حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ہم خوابی سے مشرف ہوئیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

الخبیثات للخبیثین والخبیثون للخبیثات والطیبات للطیبین والطیبون للطیبات[1]۔

(بُری بُری (باتیں) بُرے لوگوں کے لئے (زیبا) ہیں اور بُرے لوگ بُری بُری (باتوں) کے لئے (موزوں) ہیں اور اچھی اچھی (باتیں) اچھے لوگوں کے لئے (مناسب) ہیں اور اچھے اچھے لوگ اچھی اچھی (باتوں) کیلئے (موزوں) ہیں۔

---

[1] سورۂ نور آیت ۲۶

علامہ ابن کثیر دمشقی نے اس کی تفسیر ترجمان القرآن ابن عباس سے یوں نقل کی ہے :-

الخبیثات من القول للخبیثین من الرجال والخبیثون من الرجال للخبیثات من القول والطیبات من القول للطیبین من الرجال والطیبون من الرجال للطیبات من القول واختار ابن جریر و وجهه بأن الکلام القبیح أولی بأهل القبح من الناس والکلام الطیب أولی بالطیبین من الناس۔ (تفسیر ابن کثیر صفحہ ۲۶۸ ج ۳ مطبوعہ مصر)

یعنی بُری اور خبیث باتیں بُروں کے لئے ہیں اور اچھی اور پاکیزہ باتیں اچھوں کے لئے ہیں۔ ابن جریر نے اس کی یہ توجیہہ کی ہے کہ قبیح کلام قبیح لوگوں کے لئے بہتر ہے اور پاکیزہ کلام پاکیزہ لوگوں کے لئے۔)

اور ان کو خباثت سے نسبت دینا معاذ اللہ کہاں درست ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی کسی بازاری آدمی کی زوجہ کو اس قسم کی بُری نسبت دے تو اس شخص پہ کیا گذرتی ہے تا چہ رسد بہ ازواجِ رسولؐ جنہیں اس قسم کی بُری نسبت دی جائے

اگر بعض شیعہ یہ کہیں کہ ہم ایسا کرتے ہیں اور نہ ہی کہتے۔
تو ہم کہتے ہیں کہ اگر تم کہتے نہیں تو سنتے تو ہو لیکن اس کے باوجود منع نہیں کرتے لہٰذا تم بھی اُن کے حکم میں ہو۔

دلیل ششم: حضرت ابوبکرؓ مصاحبتِ رسولؐ سے مشرف ہوئے جیسا کہ آیۂ غار میں ارشاد ہوتا ہے:-

اذ یقول لصاحبہ لا تحزن ان اللّٰہ معنا[1]۔

اس وقت رسولؐ اپنے اس ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ افسوس نہ کر بیشک اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے۔ پس اُن کے فضائل کا منکر کمال درجے کی گمراہی اور رسوائی میں ہوگا۔ بلکہ درحقیقت منکر و معارض قرآن مجید ہوگا۔
بنابریں اُن کا خون اور مال حلال ہوگا۔
اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان:-

ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل[2]۔
تم ایک دوسرے کا مالِ ناحق نہ کھاؤ۔

---

[1] سورۂ توبہ آیت ۴۰

[2] سورۂ نساء آیت ۲۹

اور حدیث شریف لا یحل مال امرءٍ مسلم الا بطیب نفسہ۔

کسی مسلمان آدمی کا مال اس وقت تک حلال نہیں جب تک وہ خود اپنی مرضی سے نہ دے۔ مسلمانوں کے لئے مخصوص ہے اور اس میں وہ لوگ نہیں آسکتے جو زمرۂ کفار میں ہیں۔ لہٰذا اہلِ کفر کا قتل غارتِ اموال اور اُن کے باغوں اور کھیتوں کو جلانا اور ویران کرنا جائز ہے۔

اس میں کسی نے بھی اختلاف نہیں کیا۔

اور اسی طرح بعض جنگیں اور غارت گریاں امیرالمومنین حضرت علی علیہ السّلام نے بھی اپنے زمانہ خلافت میں فرمائی ہیں باقی یہ جو تم نے لکھا ہے کہ یہاں کے اکثر رہنے والے اولادِ پیمبرؐ میں سے ہیں۔

بنا بر فرض صحیح اگر ایسا ہی ہے تو کیا آیہ کریمہ انّہٗ لیس من اھلک انّہٗ عمل غیر صالح[1]

اے نوحؑ وہ تمہارے عمل میں شامل نہیں وہ بیشک بدچلن ہے تم نے نہیں سُنا

اور یہ جو تم نے لکھا ہے کہ وہ سب کے سب صالح ہیں صلاح فرع ایمان و اسلام ہے

---

[1] سورۂ ھود آیت ۴۶

جب یہ خط علمائے مشہد کو پہنچا تو جناب مُلّا محمّد رستم داری جو علمائے مشہد میں سے ایک تھا اس نے اس کا جواب یہ دیا:۔

کہ میں بطریق انصاف جواب عرض کرتا ہوں اگر قبول ہو فھو الحق ورنہ ؎

من آنچہ شرط بلاغ است با تو میگویم
تو خواہ از سخنم پند گیر و خواہ ملال

اوّلاً:۔ استدلال میں حدیثیں وہ حجت ہو سکتی ہیں جو متفق بین الفریقین ہوں نہ کہ جو محلّ اختلاف ہوں۔

دوم:۔ مسلمانوں کے حضرت علیؑ کے بارے میں دو فرقے ہیں تین نہیں ایک فرقہ انہیں رسولؐ کا بلا فصل خلیفہ مانتا ہے اور دوسرا ابوبکر کو پہلا خلیفہ مانتا ہے اور حضرت علیؑ کو چوتھا خلیفہ مانتا ہے۔

پس اعتماد اور حجّت کے لئے وہ احادیث پیش ہوں گی جسے ہر دو فرقے تسلیم کرتے ہوں نہ کہ وہ جسے ایک گروہ تسلیم کرتا ہو لیکن قبول نہ کرتا ہو۔

اب ہم جواب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں:۔

پہلی دلیل کا جواب:۔

تم نے کہا کہ بمقتضائے وما ینطق عن الھوی ان ھو

الا وحی یوحیٰ کلام پیغمبرؐ وحی ہوتا ہے۔

اس آیت سے تو خلفائے ثلاثہ کی مذمت اور اُن کی خلافت کا بطلان ثابت ہوتا ہے۔ اسلئے کہ شرح مواقف جیسے بزرگانِ اہلسنّت نے لکھا ہے ہیں آیا ہے کہ رحلتِ رسالتمآبؐ کے وقت ہی اہلِ اسلام کے مابین اختلاف واقع ہوا۔ جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

ایتونی بقرطاس اکتب لکم شیئاً لن تضلوا بعدی ابداً۔

کہ قلم دوات لاؤ میں تمہارے لئے ایسا نوشتہ تحریر کروں جس کے سبب تم گمراہ نہ ہو لیکن اس پر حضرت عمرؓ راضی نہ ہوئے بلکہ کہا انّ الرجل غلبہ الوجع عندنا کتاب اللہ حسبنا۔ کہ ان پر مرض کا غلبہ ہو گیا ہے ہم کو کتاب اللہ کافی ہے اس سے اصحاب میں اختلاف پڑ گیا اور آوازیں بلند ہوئیں۔ ایک گروہ کہہ رہا تھا کہ دوات اور کاغذ لاؤ تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تحریر کریں اور دوسرا گروہ حضرت عمرؓ کا ہمنوا بن کر شور مچانے لگا جس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آزردہ خاطر ہوئے اور فرمایا میرے پاس سے دور ہو جاؤ مجھے اذیت نہ دو۔ یہ حدیث صحیح بخاریؒ کے اوائل میں اور

۱؎ بخاری شریف ص ۲۲/ج ۲، ص ۴۲۹/ج ۱، ص ۴۴۹/ج ۱، ص ۶۳۸/ج ۲، ص ۸۴۷/ج ۲، ص ۱۰۹۵/ج ۲ مطبوعہ دہلی۔ صحیح مسلم ص ۴۳/ج ۲ مطبوعہ دہلی۔

دوسری اہلِ سنّت کی کتابوں میں بعبارات مختلف نقل ہوئی ہیں۔ اور دوسری بات یہ کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے اسی مرض الموت میں یہ بھی فرمایا تھا کہ اسامہ بن زید کے ہمراہ جائیں۔ ایک گروپ نے مخالفت کی جن میں ثلاثہ صاحبان بھی تھے۔ پیغمبر صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا تھا:۔

لعن اللہ من تخلف عن جیش الاسامۃ[1]۔

ان دو روایات کو خاصہ و عامہ نے اپنی کتب میں لکھا ہے:۔

پس عرض کرتا ہوں کہ فرمودۂ پیغمبر بمنزلہ وحی ہے اور حضرت عمر کا رد کرنا وحی کو رد کرنا ہے

پس جو شخص وحی کو رد کرے وہ شخص لائق خلافت نہیں ہو سکتا۔ جب حضرت عمر کی خلافت کا بطلان ثابت ہوا تو لازم ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عثمان بھی خلیفے نہ ہوں۔ کیونکہ اس سے خرق اجماع لازم آتا ہے۔ پس یا تینوں خلیفے ہوں گے یا ایک بھی نہ ہوگا۔

اور نیز تخلف از جیش اسامہ موجب سب اور لعن ہے اور تمام مسلمان اس پر متفق ہیں کہ ان تینوں بزرگوں نے لشکر اسامہ

---

[1] اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اُس پر جو لشکرِ اسامہ سے ہٹ کر واپس آئے۔
الملل و النحل صفحہ ۲۳ جلد اوّل۔ مطبوعہ مصر۔

سے تخلف کیا۔

باقی آپ نے خود اقرار کیا ہے کہ فعل رسالتمآبؐ عین وحی ہے پس حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا پدرِ مروان کو مدینے سے نکالنا وحی ہے اور حضرت عثمان کا اُسے واپس مدینے میں لانا اور اُسے اہم امور سپرد کرنا اور اُس پہ تکیہ کرنا فعلِ رسالتمآبؐ کے خلاف ہے جو کفر ہے۔

اور دلیل دوم میں جو تم نے کہا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم خلفاء ثلاثہ کا خیال اور احترام کرتے تھے۔

سو اس بارے جان لیں کہ گناہ سے پہلے سزا سزاوار نہیں ہر چند کہ یہ معلوم ہو کہ یہ بعد میں خطا کرے گا۔ یہی وجہ ہے کہ امیر المومنینؑ نے جاننے کے باوجود قبل از ارتکابِ فعل ابنِ ملجم کو سزا نہیں دی۔

تیسری دلیل کا جواب:۔ کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مصاحب تھے اور رضائے رسولؐ کے شرف سے مشرف تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا اُن کے بعض اعمال سے راضی ہونا مثلاً اُن کا بیعت کرنا محلِ شبہ نہیں۔

جیسا کہ یہ مسلّم ہے کہ اُن سے بعض اچھے کام صادر ہوئے ہیں۔

وَ لیسے یہ بھی مسلّم ہے کہ اُن سے بُرے کام بھی صادر ہوئے ہیں جو عہدِ بیعت کے خلاف ہیں۔

چنانچہ خلافت کو غصب کیا اور حضرت فاطمہؓ کو آزردہ کیا۔

صحیح بخاری میں ہے کہ :۔

من ابغضها فقد ابغضنی[1]

کہ جس نے اُسے ناراض کیا اُس نے مجھے ناراض کیا۔

علاوہ ازیں وصیّتِ پیغمبرؐ سے مانع ہوئے۔ جیش اسامہ سے تخلف کیا وغیرہ وغیرہ۔ ان اعمالِ قبیحہ کی وجہ سے وہ مستوجب سب و لعن ہوئے۔

دلیلِ چہارم کا جواب:۔ کہ حضرت علیؑ جن کی ہمّت و شجاعت اعلائے کلمۃ الحق کے لئے تھی، اُن سے جنگ نہیں کی بلکہ اُن کی متابعت کی۔

حضرت امیر المومنینؑ کا تلوار نہ اُٹھانا ساتھیوں کی کمی، اہلِ حق کے خوفِ ہلاکت یا اور دیگر وجوہات کی وجہ سے تھا۔

مثلاً فرعون جو چار سَو سال تخت پر بیٹھا رہا جس نے خدائی کا دعویٰ کیا اور بہت سی مخلوق خدا کو گمراہ کیا نیز شدّاد اور نمرود بھی

---

[1] بخاری شریف ج ۱ ص ۵۲۶ مطبوعہ دہلی

آپ ایسے ہی تھے۔

خدا نے اپنی باکمال قدرت کے ہوتے ہوئے اُنہیں ہلاک نہیں کیا۔

جب اللہ تعالیٰ دفعِ دشمن میں تاخیر کرتا ہے تو بندہ اُسے بطریقِ اولیٰ کریگا اور یہ جو تم نے کہا کہ حضرت علیؓ نے بیعت و متابعت کی حسب ظاہر اکراہ و تقیہ کی وجہ سے کیا۔

دلیل پنجم کا جواب کہ حضرت عثمان اور بعض ازواجِ پیغمبر حضورؐ کی دامادی اور زوجیت سے مشرف ہوئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا الخبیثات للخبیثین الخ

اس سے مراد یہ نہیں کہ زن و شوہر اسلام اور کفر اور دوسری تمام باتوں کی ہمدو جہت اور مذمومیت میں شریک ہوں۔

نہیں تو مطلب یہ ہوگا کہ ان میں سے جو بھی جنت یا جہنم کا مستحق ہوگا دوسرا بھی اس کا سہیم و شریک ہوگا۔

اس طرح ہرگز نہیں ورنہ زوجۂ نوحؑ اور زوجۂ لوطؑ کے بارے میں کیا کہو گے جنہیں خدا نے جہنمی قرار دیا یا زوجۂ فرعون کے بارے میں جنہیں خدا نے بہشتی قرار دیا۔

اس سے ثابت ہوا کہ آپ کی اس بات سے اس آیت کا کوئی ربط نہیں

بلکہ احتمال رکھتی ہے۔ یہ آیت اسی قبیل کی آیتوں سے ۔

الزانی لا ینکح الا زانیۃ او مشرکۃ والزانیۃ لا ینکحھا الا زان او مشرک وحرم ذالک علی المؤمنین[1]۔

ترجمہ :- زنا کرنے والے مرد سوائے زنا کرنے والی عورت کا مشرک عورت کے اور کسی سے نکاح نہ کرنے پائے اور زناکار عورت سے سوائے زناکار مرد کے اور مشرک کے اور کوئی نکاح نہ کرنے پائے اور یہ نکاح مومنوں پر حرام کیا گیا ہے۔

پس ازواج رسولؐ کی طرف ایسے گناہ کی نسبت حرام اور ایک ناپاک جسارت ہے۔

محترمات و زوجات مخدرات رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ایسی نسبت ہرگز کوئی شیعہ اثنا عشری برداشت نہیں کرسکتا۔

چونکہ بی بی عائشہ نے اللہ تعالیٰ کی اس آیت وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولی[2]

ترجمہ :- اور اپنے گھروں میں بیٹھی رہو اور قدیم جاہلیت کا سا بناؤ سنگار کرکے باہر نہ نکلا کرو۔

کی مخالفت کی بجائے گھر میں بیٹھنے کے بصرہ کے میدان میں آ کر امام زمانہ حضرت امیر المومنین علیؑ ابن طالب سے جنگ لڑی،

---

[1] سورہ نور - آیت ۳
[2] سورہ احزاب آیت ۳۳

اس صورت ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا تھا کہ یا علی حربک حربی[1]

کہ اے علیؑ! تیرے ساتھ جنگ میرے ساتھ جنگ ہے

یہ حدیث شیعہ سنی ہر دو نے نقل کی ہے۔ اس جہت سے بی بی عائشہ

مستوجب بیزاری ہوتی ہے۔

دلیل ششم کا جواب کہ خداوند تعالےٰ نے حضرت

ابوبکر کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صحابی کہا ہے۔ جب وہ صحابی

ہوئے تو مصاحب رسولؐ کی مذمت نہیں کرنی چاہیئے۔

جان لو! کہ کسی کا مصاحب بن جانا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔

کیونکہ مصاحبت تو مسلم وکافر میں بھی ہو جاتی ہے جس پر یہ

آیہ شریفہ شاہد ہے:۔ یاصاحبی السجن وارباب متفرقون

خیرام اللّٰہ الواحد القہار۔

ترجمہ:۔ اے میرے قید خانہ کے ساتھیو آیا جدا جدا

پروردگار اچھے ہیں یا خدائے یکتا جو سب پر غالب ہو۔

اس آیت میں حضرت یوسف علیہ السلام نے دو ایسے

آدمیوں کو اپنا صحابی کہا ہے جو بت پرست تھے۔ پس ضروری

نہیں کہ مصاحبت پیغمبرؐ خوبی پر بھی دلالت کرے۔ (ختم شد جواب)

---

[1] سلہ

مناظرہ

(۴۱)

ایک مرتبہ شیعوں اور ناصبیوں کے مابین آیہ
فانزل اللہ سکینتہٗ علیہ وایّدہٗ بجنودٍ لّم تروھا
کے موضوع پر مناظرہ ہوا۔
شیعہ علماء نے کہا کہ قرآن میں جہاں کہیں اللہ تعالیٰ نے
نزول سکینہ کو بیان فرمایا ہے اس کا نشان نزول پیغمبرؐ
اور اُن کے ساتھیوں کے بارے میں ہے۔

چنانچہ ارشاد ہے:۔

ویوم حنین اذا عجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیئًا
وضاقت علیکم الارض بما رحبت ثمّ ولیتم مد برین
ثمّ انزل اللہ سکینتہٗ علیٰ رسولہٖ وعلی المؤمنین (سورۂ توبہ آیت ۲۵-۲۶)
ترجمہ:۔ حنین کے دن جبکہ تمہاری کثرت نے تم کو نازاں
کر دیا تھا پھر وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین باوجود وسعت
کے تم پر تنگ ہو گئی۔ پھر تم پیٹھ دکھا کر بھاگے پھر اللہ نے اپنی
تسکین اپنے رسولؐ اور مومنین پر نازل کی۔

نیز سورۂ فتح کی آیت میں فرمایا:۔

اذ جعل الذین کفروا فی قلوبھم الحمیۃ حمیۃ الجاھلیۃ فانزل اللہ سکینتہ علی رسولہ و علی المؤمنین والزمھم کلمۃ التقوی۔

ترجمہ:۔ جب کافروں نے اپنے دل میں ضد ٹھان لی اور ضد بھی جاہلیت کی سی تو خدا نے اپنے رسول اور مومنین (کے دلوں) پر اپنی طرف سے تسکین نازل فرمائی اور ان کو پرہیزگاری کی بات پر قائم رکھا۔

غار میں حضرت ابوبکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور سکینتہ اللہ تعالیٰ نے صرف آنحضرت صلعم پر نازل فرمایا حضرت ابوبکر کو اس میں داخل نہیں کیا۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ مومن نہ تھے اس لئے اُسے داخل نہیں کیا۔ چنانچہ تمام آیات میں سے اللہ تعالیٰ نے مومنین کو حضور صلعم کے ساتھ اس میں شامل کیا۔

ناصبیوں نے جب خود کو گرفت میں دیکھا تو اُنھوں نے مغالطہ دیتے ہوئے کہا کہ سکینتہ حضرت ابوبکر پر نازل ہوا تھا۔ کیونکہ وہ ترسان اور محزون تھے اُنہیں سکینتہ کی ضرورت تھی۔ اور حضور صلعم چونکہ سکینہ سے مستغنی تھے اس

لئے اطمینانِ خاطر سے تھے۔

شیعہ علماء نے کہا کہ یہ بات بالکل باطل اور مردود ہے۔

اس لئے کہ بنا بریں یہ لازم آئے گا کہ بدر و حنین میں حضورؐ پر سکینہ کا نزول عبث اور بے فائدہ تھا۔ کیونکہ بقول آپ کے وہ خوفزدہ نہیں بلکہ پُر اطمینان تھے۔

ناصبی علماء نے کہا کہ پیغمبر اسلام ان مقامات میں خائف و محزون تو تھے لیکن انہوں نے اس کا اظہار نہ کیا۔

شیعوں نے کہا کہ ہمارا مقصد بھی یہی تھا۔

اور دوسری بات یہ کہ آپ پر روشن ہے کہ یہاں سکینہ کسی طور بھی حضرت ابوبکر سے مربوط نہیں نہ تخصیصاً نہ ضمناً اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

فانزل اللہ سکینتہٗ علیہ وایدہٗ بجنودٍ لّم تروھا۔

ترجمہ:۔ تو خدا نے ان پر اپنی (طرف سے) تسکین نازل فرمائی اور (فرشتوں) کے ایسے لشکر سے اُن کی مدد کی، جن کو تم لوگوں نے دیکھا تک نہیں۔ اس آیت میں ایدہٗ کی ضمیر اس پر دلالت کرتی ہے کہ اسم کا اور سکینتہٗ علیہ کا

مرجع ایک ہے - کیونکہ اس سے پہلی آیت :-

الا تنصروہ فقد نصرہ اللہ اذ اخرجہ الذین کفروا الی قولہ تعالیٰ فانزل اللہ سکینتہ علیہ وایدہ بجنود لم تروھا میں تمام ضمیریں ایک فرد یعنی رسولِ خداؐ کی طرف پلٹتی ہیں - پس یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان میں سے بعض ضمیریں کسی ایک کی طرف جاتی ہیں تو بعض کسی دوسرے کی طرف -

مثلاً اگر کوئی کہے لقیت زیداً فاکرمتہ وکلمتہ - یہاں اگر وہ کلام میں تو زید کا ارادہ کرے اور اکرام میں عمرو کا تو یہ بات غلط محض اور قبیح ہوگی -

پس آیۂ مذکورہ میں بھی رسولِ خداؐ ہی تھے جو ملائکہ سے مؤید تھے -

اور اتفاقِ اُمت سے بھی یہی ثابت ہے کہ یہاں نزولِ سکینتہ فقط رسولؐ پہ ہوا ساتھی پہ نہیں -

اگر یہ کہو کہ اگلی پچھلی تمام ضمیریں رسولِ خداؐ کی طرف راجع ہیں - فقط درمیان والی حضرت ابوبکر کی طرف لوٹتی ہے - تو یہ بات نظم کلام اور فصاحت و بلاغت کے خلاف ہے

مثلاً اگر کوئی کہے کہ "زید جمعہ کے دن ایک آدمی کے ہمراہ آیا اس کا یاور کوئی نہ تھا۔ میں نے اسے کافی رقم دی، اور اس کی مدد کے لئے ایک بڑا لشکر مہیا کیا اور ساتھ ہی دوسرے جنگی وسائل بھی فراہم کئے۔

اس سے مخاطب بھی سمجھے گا کہ یہ تمام عطایا زید ہی کو دیئے گئے نہ کہ اس کے غیر کو۔

اب اس سے کوئی بھی یہ باور نہیں کرے گا کہ شاید بعض عطیات اس کے ہمراہی کیلئے ہوں۔

ناصبی علماء نے جواب میں کہا کہ ہر چند یہ آیت رسول خدا سے خاص ہے مگر پھر بھی یہ حضرت ابو بکر کے نقص پر دلالت نہیں کرتی۔ اس لئے کہ رئیس اور متبوع سکینہ کا محتاج ہوتا ہے نہ کہ تابع اور مرؤس یعنی اگر رئیس محفوظ اور مطمئن ہوگا تو تابع اور مطیع بالتبع مطمئن ہوگا۔

شیعہ علماء نے کہا کہ اس سے تو خدا کی رد لازم آتی ہے۔ کیونکہ خدا نے بدر، وحنین وغیرہ میں سکینہ کو مومنین متبعین پر نازل فرمایا ہے۔

پس تمہاری اس بات کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے سکینہ

ان لوگوں پہ نازل کیا جو محتاج سکینہ نہ تھے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے معاذ اللہ ایک عبث اور بے فائدہ کام کیا۔[1]

تعالی اللہ عمّا یقول الظّالمون علوّاً کبیرًا

ماہنامہ

المودۃ

مشن مبلّغ اعظم قدس سرّہٗ کا ترجمان۔ دفاع مقصرین و منکرین میں پیش۔ علمی، تحقیقی، دینی اور مذہبی قدروں کا علمبردار

خود پڑھیں اور دوسروں کو بھی دعوت مطالعہ دیں

مبلّغ اعظم اکیڈمی درس آل محمدؐ

جڑانوالہ روڈ نزد بجلی گھر

فیصل آباد

---

[1] مناظرات با دانشمندان ص ۱۶۶

مُناظرہ

(۴۲)

عالمگیر بادشاہ نے ایک مرتبہ دربارِ عام میں کہا کہ عائشہ کو فاطمہؓ پر فوقیت ہے اور احادیثِ نبویہ اس پر دلالت رکھتی ہیں لیکن قرآن شریف میں کوئی ایسی آیت نہیں جس سے یہ فضیلت و فوقیت پایۂ ثبوت کو پہنچے۔

نعمت خان عالی شیعہ موجود تھے اس نے دست بستہ عرض کی جہاں پناہ! کلام اللہ سے تو حضرت عائشہ کی افضلیت صاف عیاں ہے۔

پوچھا کس طرح

کہا حق تعالےٰ فرماتا ہے :-

فضل اللہ المجاهدین علی القاعدین

درجۃً - پ۵ سورہ نساء آیت ۹۵

یعنی حق تعالےٰ نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھنے والوں پر فضیلت بخشی ہے۔

بی بی عائشہ نے بصرہ میں علیؑ سے جہاد کیا وہ مجاہدین میں سے ہیں۔

فاطمہ زہراؑ نے کبھی گھر سے قدم بھی باہر نہیں نکالا، پھر عائشہ اُن سے کیونکر افضل نہ ہوں۔[1]

ضروری اعلان

ہمارا سابقہ پتہ تبدیل ہو چکا ہے

آئندہ ہر قسم کی خط و کتابت اور ہماری مطبوعات طلب کرنے کیلئے

درج ذیل پتہ پر رابطہ قائم کریں

درس آلِ محمدؐ جڑانوالہ روڈ نزد بجلی گھر فیصل آباد

[1] تہذیب المتین صہ ۲۴۳ ج ۲۔ ط دہلی۔

مُناظرہ

(۴۳)

علامہ علم الہدیٰ کا کہنا ہے کہ ایک افغانی نے مجھے بتلایا کہ جہاں میں ٹھہرا ہوا ہوں وہ سب کے سب سُنّی ہیں۔

میں بھی بظاہر سُنّی بنا رہتا ہوں لیکن بباطن شیعہ ہوں۔

میرے پاس کوئی علم نہیں البتہ قرآن مجید پڑھ سکتا ہوں۔

ایک دن بازار میں ایک دُکان کے پاس سے گذر رہا تھا دیکھا تو اس دُکان میں ایک اہلسنّت عالم بیٹھا ہوا تھا۔

جب صاحب دُکان کی نگاہ مجھ پر پڑی تو اپنے عالم سے کہا کہ اس مسئلے کو اس مُلّا (جو کوئی قرآن پڑھا ہوا ہوتا اُسے لوگ مُلّا کہتے تھے) سے پوچھو۔

یہ سُن کر مجھے خوف لاحق ہوا کہ دوران گفتگو کہیں میری شیعیت کا بھانڈا نہ پھوٹ جائے

بہرحال اس عالم نے مجھے طلب کیا بٹھایا اور کہا کہ شیعہ اس بات پر کیا دلیل رکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ حضرت ابوبکر سے افضل ہیں۔

میں نے کہا مولانا میں بے علم ہوں۔ چاہیئے کسی شیعہ عالم سے پوچھیں۔ لیکن اگر اجازت ہو تو میں آپ سے ایک سوال کرتا ہوں۔

اس نے کہا بخوشی سوال کرو۔

افغانی:۔ مولانا! یہ جو لوگ کہتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السّلام سے لیکر ہمارے نبی صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم تک ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر ہو گذرے ہیں درست ہے۔

مولانا:۔ بالکل

افغانی:۔ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ چونکہ ہمارے پیغمبرؐ سب سے آخری پیغمبر ہیں اس لحاظ سے وہ تمام انبیاء سے افضل ہیں۔ اور اس کا دین تا قیام قیامت باقی رہے گا، یہ سچ ہے۔

مولانا:۔ بالکل

افغانی:۔ یہ صحیح ہے کہ ہمارا پیغمبرؐ تمام انبیاءؑ سے افضل ہے کیونکہ اُن کا دین قیامت تک باقی ہے اور اُن کے بعد کوئی نبی نہیں۔

مولانا:۔ بالکل صحیح ہے۔

افغانی :۔ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے چار خلیفے تھے۔

مولانا :۔ ہاں چار خلیفے تھے۔

افغانی :۔ ان میں سے پہلے سیدنا و مولانا ابوبکر صدیقؓ،
دوسرے مولانا عمرؓ بن خطاب فاروقؓ
تیسرے سیدنا عثمانؓ غنی
اور چوتھے سیدنا علیؓ یہی چار خلفاء تھے۔

مولانا :۔ ہاں یہی چار خلفاء تھے۔

افغانی :۔ چونکہ ہمارے پیغمبرؐ آخری پیغمبر تھے اس لئے وہ تمام پیغمبروں سے افضل ہیں۔ اسی طرح علیؓ بھی چونکہ آخری خلیفہ تھے۔ لہٰذا وہ بھی تمام خلفاء سے افضل ہیں۔

افغانی کہتا ہے کہ جب میں نے یہ کہا تو اس نے اٹھ کر ہاتھ بلند کئے اور کہا۔ خدایا میں کیا کہوں اس نے جواب دیکر مجھے عاجز و لاجواب کر دیا۔ چنانچہ یہ کہہ کر وہ چلتا بنا میں نے بھی اٹھ کر جانے ہی میں عافیت سمجھی کہ کہیں میری گرفت نہ ہو جائے۔ مناظرات با دانش مندان صہ ۱۹۲

مُناظرہ

(۴۴)

مُلّا واعظ حسین کاشفی سبزواری میر علی شیر کی صحبت میں گرفتار رہے اور مُلّا عبدالرحمٰن جامی کی دامادی میں مُبتلا ہوئے۔ لہٰذا اُن کے ہم وطن ایک جانب سے بدگمان ہو گئے کہ وہ سُنّی ہو گئے ہیں۔ عرصہ دراز کے بعد جو مُلّا کو اپنے وطنِ مالوف کی طرف واپس آنے کا اتفاق ہوا تو وہ لوگ ان کے امتحان کی فکر میں تھے۔ تا اینکہ ایک روز مسجد جامع سبزوار میں وعظ کر رہے تھے ناگاہ ایک پیرمرد عصا ہاتھ میں اُٹھائے ہوئے منبر کے پاس آکر کھڑا ہوا تاکہ مُلّا کے عقیدے کا پتہ کر سکے۔

اتفاقاً مُلّا حسین کاشفی کی زبان سے نکلا کہ جبرئیل امین حضرت رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم پر بارہ ہزار مرتبہ نازل ہوئے۔ پیرِ روشن ضمیر نے موقعہ پاکر فوراً کہا کہ حضرت علی ابنِ ابی طالب کے پاس کتنی مرتبہ آئے۔ مُلّا سوچنے لگے کہ اگر کہوں کہ حضرت علیؑ پر جبرئیل نازل ہوئے تو ظاہراً خلافِ واقعہ ہے۔ اگر انکار کردوں تو نہ جانے اس عصا بدست بزرگ کے تیور کیا ہوں۔

آخر حسنِ عقیدت نے اُس کی امداد کی اور بولا کہ علی ابن ابی طالب پر جبرئیل چوبیس ہزار مرتبہ نازل ہوئے۔

بوڑھے نے کہا میری خوشامد کرتا ہے یا اس دعوے پر کوئی دلیل بھی تیرے پاس ہے۔ مُلّا نے کہا کہ دلیل اس کی یہ ہے کہ رسُول اللہ نے فرمایا ہے:- انا مدینۃ العلم وعلیٌ بابہا۔ کہ میں علم کا شہر اور علیؑ اس کا در ہے۔ پس جبکہ جبرئیل شہر میں بارہ ہزار مرتبہ آئے تو امیر المؤمنینؑ جو اس شہر کے دروازے ہیں کیونکر چوبیس ہزار مرتبہ نہ آئے ہوں گے۔

صدائے تحسین و آفرین اس پر بلند ہوئی۔

(تہذیب المتین ص۴۱۸ جلد اوّل مطبوعہ دہلی)

مناظرہ

(۴۵)

ابو الحسن علی بن میثم نے ابو ہذیل سے پوچھا کہ کیا شیطان تمام اچھے کاموں سے روکتا اور برے کاموں پر آمادہ کرتا ہے۔

ابو ہذیل:- جی ہاں

ابن میثم:- کیا شیطان تمام اچھے کاموں کو جانتے ہوئے اُسے منع کرتا اور برے کاموں کو جانتے ہوئے اس کا حکم دیتا ہے۔

ابو ہذیل:- جی ہاں

ابن میثم:- کیا تیرا امام یعنی حضرت۔ بھی تمام نیکیوں اور برائیوں کو جانتا ہے۔

ابو ہذیل:- نہیں

ابن میثم:- پھر تو شیطان تیرے امام سے زیادہ عالم ہوا۔ کیونکہ اعلم غیر اعلم سے زیادہ اشرف ہوتا ہے۔ پس شیطان تیرے بزرگ سے افضل و اشرف ہوگا۔

یہ سن کر ابو ہذیل لاجواب ہوگیا۔[1]

---

[1] بحار الانوار جلد ۱۲۔ در ضمن مناظرات اصحاب امام رضا علیہ السلام و مجالس المومنین صفحہ ۲۴۵ ج ۱ مطبوعہ تہران

انوار الیقین فی معرفۃ المعصومین

تالیف مولانا آغا عبدالحسن سرحدی صاحب

معارف نورانیہ اور محمدؐ و آلِ محمدؐ کے
فضائل باطنیہ پر مشتمل ایک ایمان افروز
مجموعہ، جسمیں عظمتِ اہلبیتؑ کے اہم گوشوں مثلاً اُن کی خلقتِ نورانیہ
عالمِ تکوین میں حکمرانی، علمِ غیب، حاضر ناظر اور اُن سے استمداد
وغیرہ کو قرآن و حدیث کی روشنی میں مدلل اور دلنشیں انداز
میں بیان کیا گیا ہے!

طباعت آفسٹ

آج ہی منگوائیے!

مبلغِ اعظم اکیڈمی
سرگودھا روڈ۔ فیصل آباد
فون:- ۲۶۵۴۱